نونہال

بچوں کا

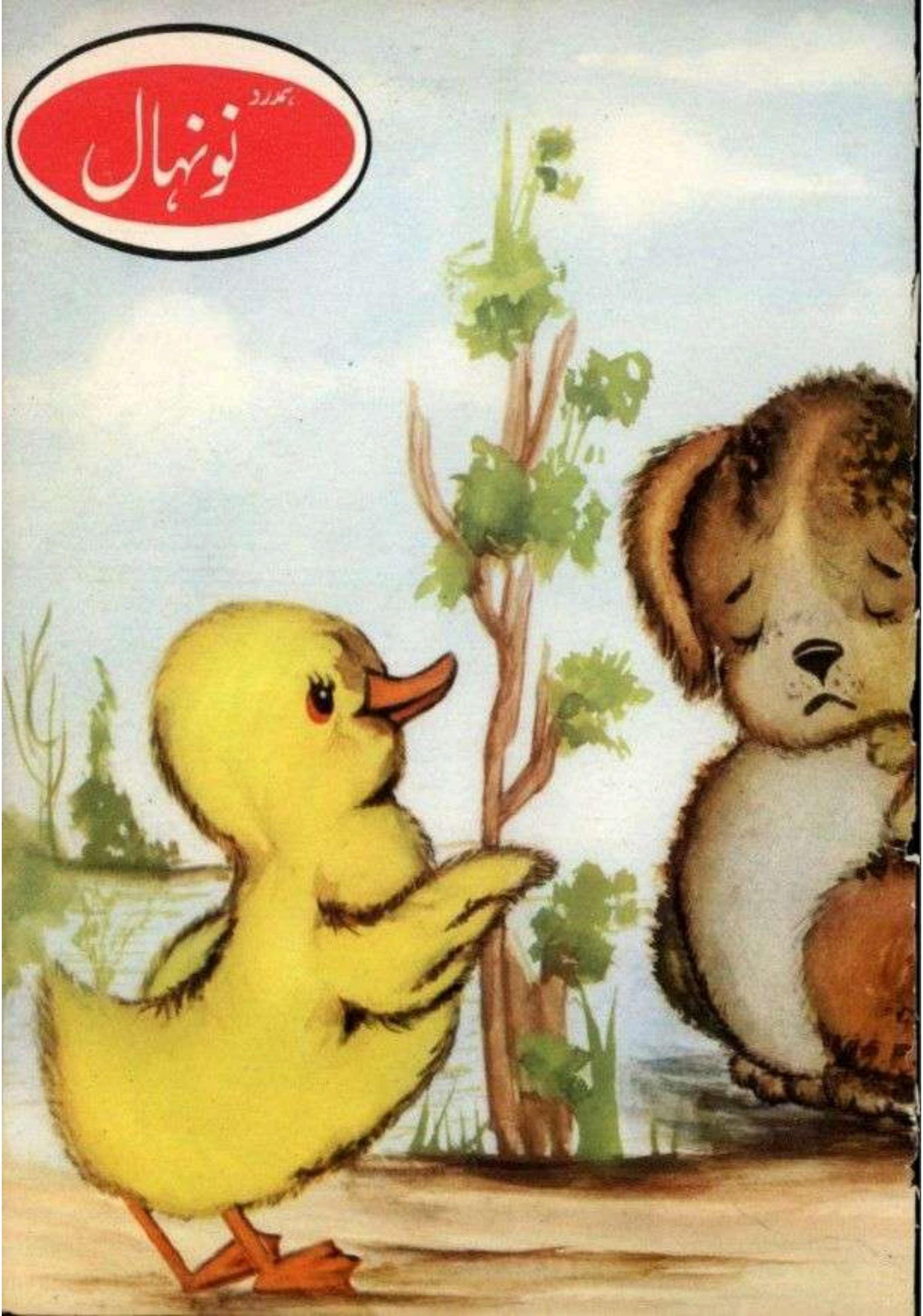

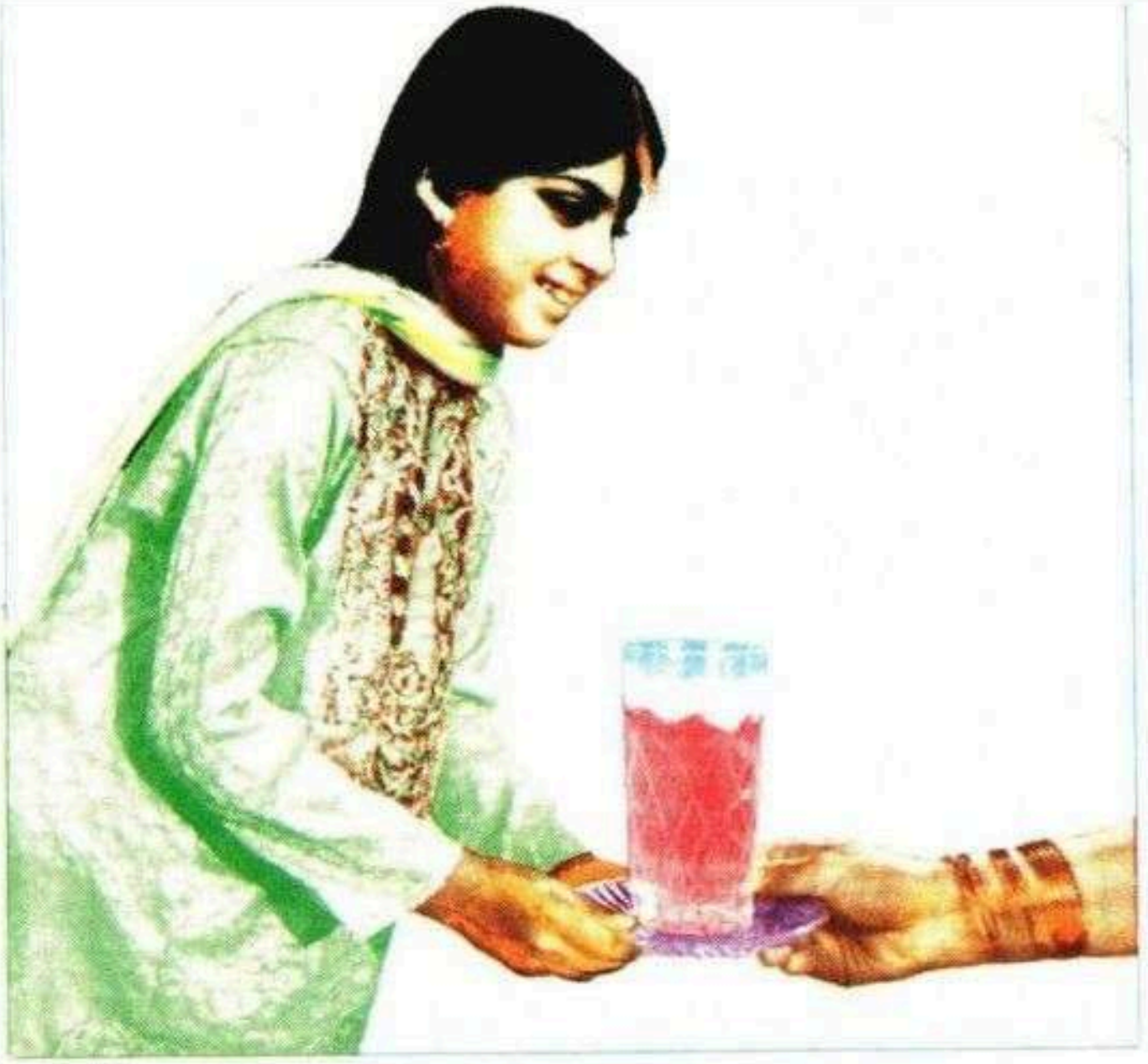

اب وضع مشرق ہی وضع جدید ہے

رُوح افزا جدید بھی ہے اور ہماری مشرقی روایات کے قریب بھی۔ یہ ہمارے دور کا بہترین مشروب ہے جس کا ذائقہ اور تاثیر دونوں اپنی جگہ لاجواب ہیں۔ اس کی تیاری میں سالہا سال کے تجربات اور ہنرمندی کو سمویا گیا ہے۔
رُوح افزا آپ کو گرمی کے ناگوار اثرات سے بچاتا ہے اور تسکین بخشتا ہے۔

رُوح افزا

مشروب مشرق

ہمدرد دواخانہ (وقف)
کراچی۔ ڈھاکہ۔ لاہور۔ چٹاگانگ

ہمدرد

UNITED HMD RA 4 70

فون : ادارت : ۷۷۵۴۷۴ انتظامیہ : ۶۱۱۲۰۲

ہمدرد نونہال

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی — صدر مجلس
مسعود احمد برکاتی — مدیر
حکیم محمد لسین دہلوی — مدیر

جون ۱۹۷۰ء

جلد : ۱۸ شمارہ : ۶

مجلسِ مشاورت

محترمہ وحیدہ نسیم
محترمہ بیگم حسن
محترم مسلم ضیائی
محترم علی ناصر زیدی
محترم اشرف صبوحی

قیمت
فی رسالہ : ۷۵ پیسے

مشرقی پاکستان میں (ہوائی جہاز سے) ایک روپیہ

سالانہ مع خاص نمبر : آٹھ روپے

دفتر ہمدرد نونہال ، ہمدرد ڈاک خانہ ، کراچی ۱۸

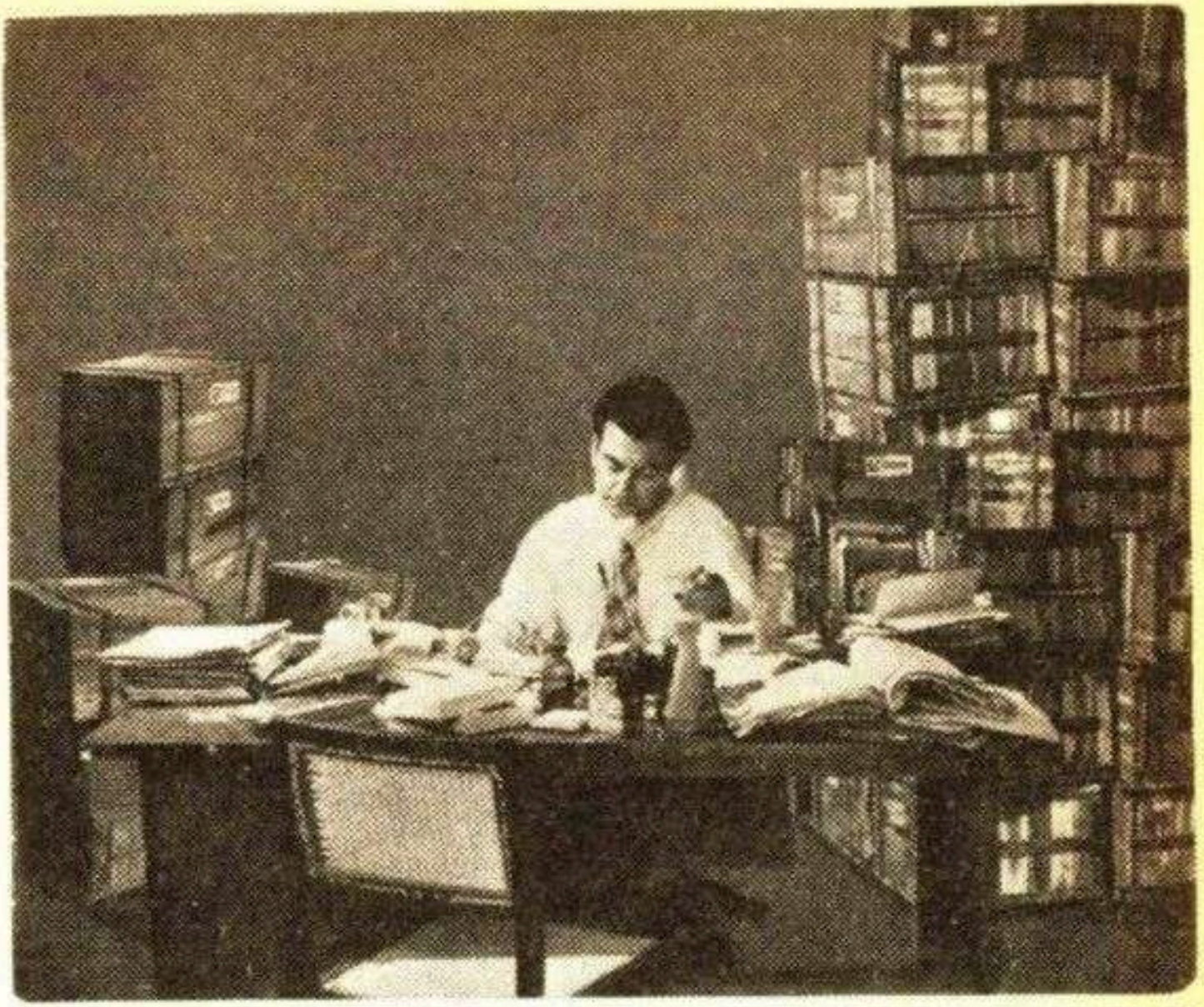

چھوٹے تاجروں کی خدمت میں کوشاں

خوشحال متوسط طبقہ ایک مضبوط معاشرے کی بنیاد ہے۔
ہر چھوٹے تاجر میں بڑا تاجر بننے کی صلاحیت ہے۔
بڑے بڑے تاجر بھی کبھی چھوٹے سے کاروبار کے مالک تھے۔
چھوٹے تاجروں کے لئے سرمایے کی فراہمی بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔
آج کل بہت سے لوگ کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں۔
اس لئے ہم پیپلز کریڈٹ سکیم کے ذریعے انھیں بڑے تاجر بننے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔
چھوٹے تاجروں کی خدمت میں کوشاں۔

نیشنل بینک آف پاکستان

اس بینک کے مالک آپ ہیں

AIM

NAT U70

اِس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	حکیم محمد سعید	۳
ہمارے نبی ؐ (نظم)	سید قمر ہاشمی	۴
ملا نصر الدین کی شرط (ڈراما)	میرزا ادیب	۵
کارٹون	مشتاق	۱۲
شرارت کی سزا	علی اسد	۱۳
مگرمچھ کے آنسو	عبدالجلیل قریشی	۱۷
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا	ادارہ	۳۱
اخبار نونہال	ادارہ	۳۵
بہادر ٹیپو سلطان شہید (نظم)	عنبر چغتائی	۳۷
صحت مند نونہال	ادارہ	۳۸
نقصان پہنچانے والے پودے	ڈاکٹر اصغر جلیس	۳۹
آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ	محمد زکریا مائل	۴۵
پھیری والا		۴۹
چڑیا نے راز کھول دیا	غازی کمال	۵۱
شمسی رصدگاہیں	علی ناصر زیدی	۶۵
ان الفاظ کے معنی تلاش کیجیے	ادارہ	۷۱
رنگ برنگی پھلجھڑیاں	ننھے مزاح نگار	۷۳
تمھارا خیال ہے	نونہال پڑھنے والے	۷۵
پرانا پتلون		۸۱
دھوپ سے نئے کام	ادارہ	۸۵
ڈھول کا پول	فہیدہ عتیق	۸۷
معلوماتِ عامہ ۴۸ کے جوابات	ادارہ	۸۹
کیا تم بتا سکتے ہو؟	عبدالعزیز	۹۶
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۹۷
حلقۂ دوستی	ادارہ	۱۰۹

جاگو جگاؤ

امتحانات ختم ہونے کے بعد نئی جماعتوں میں تعلیم شروع کرنے سے پہلے کچھ دن آرام کے لیے تعطیلات ہوتی ہیں۔ ان تعطیلات میں بچے بہت سے ایسے کام کر لیتے ہیں، جو وہ سال بھر نہیں کر سکے تھے۔ کچھ بچے اپنے عزیزوں سے ملنے دوسرے شہر یا گاؤں جاتے کچھ سیر و تفریح کا پروگرام بناتے ہیں۔ سیر کے لیے اپنے شہر سے باہر بھی جاتے ہیں اور شہر میں بھی تفریحی مقامات پر مثلاً سمندر کے کنارے، باغات یا اونچی عمارتیں دیکھ آتے ہیں۔ چھٹیاں منانے کے لیے یہ سب طریقے اچھے ہیں، لیکن اچھے بچوں کو کچھ اور باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو اپنے ماں باپ کی مرضی کے مطابق چھٹیوں کا پروگرام بنانا چاہیے۔ کسی ایسی بات کی ضد نہیں کرنی چاہیے جو ماں باپ نہیں کر سکتے ہوں یا نہیں کرنا چاہتے ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ چھٹیوں میں کچھ نہ کچھ اچھے کام بھی کرنے چاہییں، مثلاً کوئی اچھی سی کتاب پڑھنا، کسی ضعیف یا معذور آدمی کی خدمت وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ اگر آپ کسی مضمون میں کم زور ہوں تو چھٹیوں میں اس مضمون کو پڑھ کر کمی دور کر لینی چاہیے تاکہ آئندہ سال پریشانی نہ ہو اور آپ اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہیں۔

تمھارا ہمدرد

حکیم محمد سعید

ہمارے نبی ﷺ

سیدہ فرحانہ ہاشمی

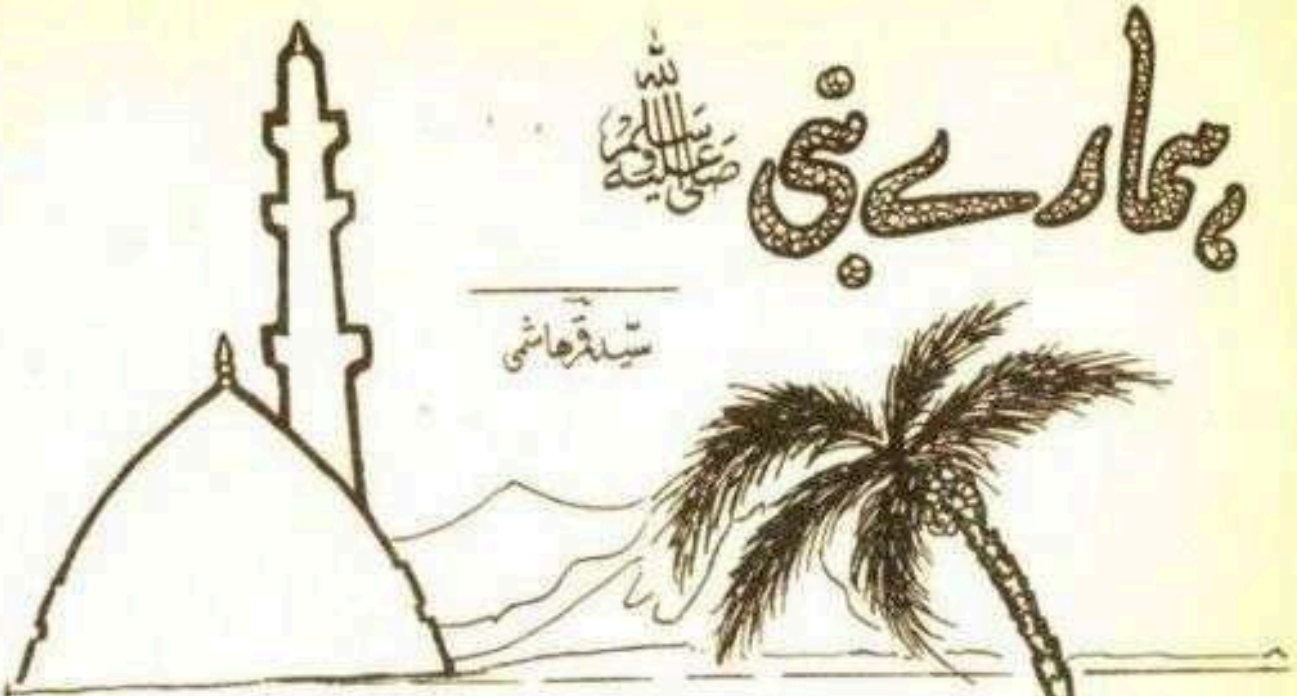

محمدؐ آئے، محمدؐ آئے
اور ایک سچی کتاب لائے

نبی خدا کے وہ آخری تھے — وہ دینِ برحق کی آگہی تھے
حجاز اُن کے قدم سے چمکا — ستارہ خوش بختیوں کا دمکا
محبتوں کے وہ پھول لائے — وہ زندگی کے اصول لائے
غلام کو بھی گلے لگایا — زمیں پہ تھے وہ خدا کا سایا
عرب کے ذرّے بنے تھے موتی — زمین جنّت کبھی نہ ہوتی
جو وہ نہ فرماتے ہم پہ احساں — اگر نہ کرتے ہمارا درماں

خدا کے سچے رسول تھے وہ
کتابِ حق کے اصول تھے وہ

مُلّا نصرُالدّین کی شرط

ایک کھیل

میرزا ادیب

کام کرنے والے

ملّا ـــــ ملا نصرُالدّین
بیگم ـــــ ملّا جی کی بیوی
زینت ـــــ ایک ہمسائی
اشرف ـــــ زینت کا بیٹا

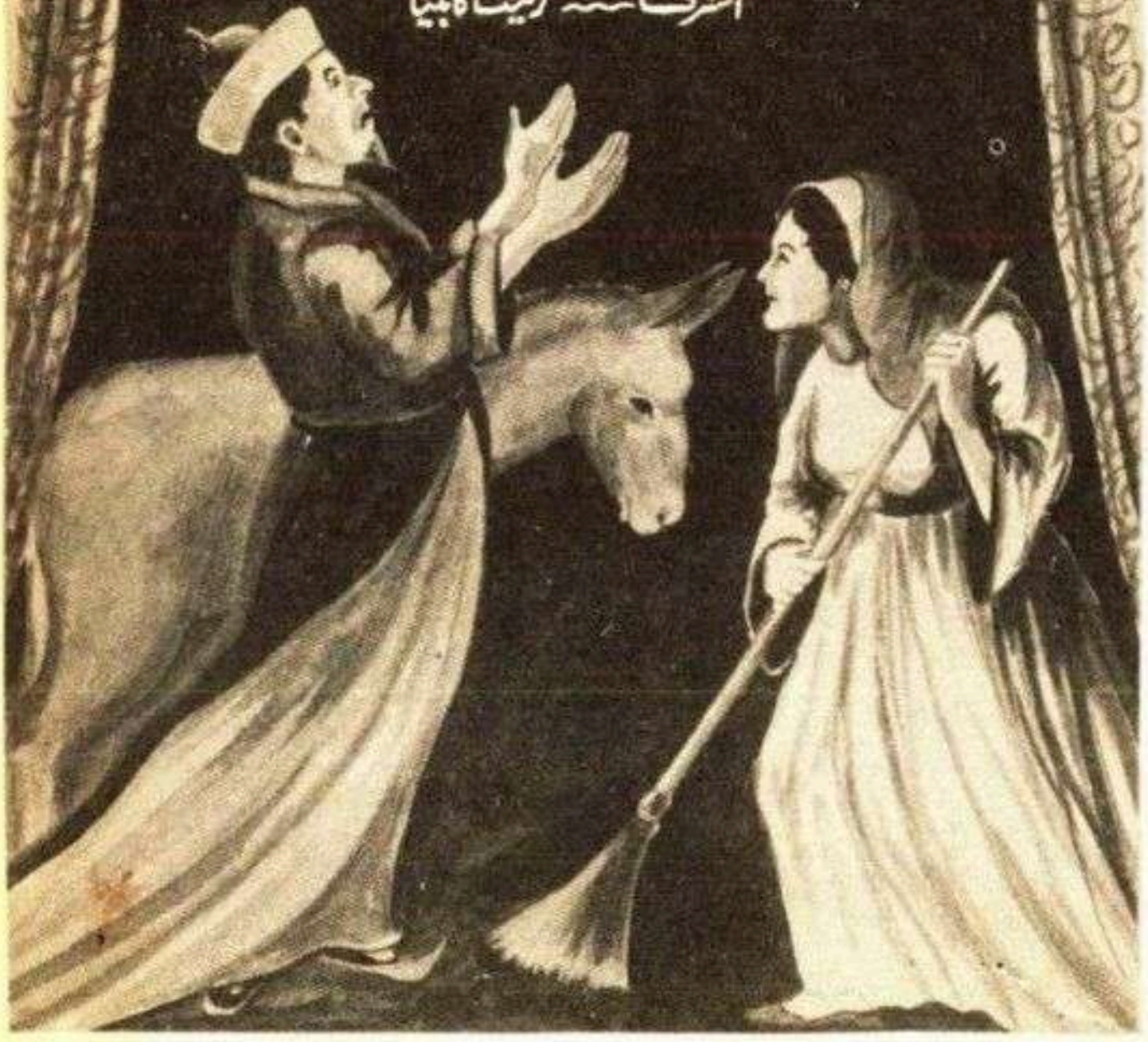

پہلا منظر

منظر: ملا نصر الدین کا گھر۔ بیگم فرش پر جھاڑو دے رہی ہیں۔ ملاجی آتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگتے ہیں۔

ملاّ: توبہ توبہ، یا اللہ میری توبہ!

بیگم: (جھاڑو رکھ کر ملاّ کی طرف دیکھتے ہوئے) ہوا کیا؟

ملاّ: یا اللہ! ہمارے کنبے پر کوئی قہر نازل نہ فرما۔ یا اللہ! میں بے گناہ ہوں، میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یا اللہ! تو اپنا رحم کر۔

بیگم: ہائے اللہ، کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ گھر میں آتے ہی توبہ استغفار شروع کر دی ہے۔

ملاّ: اگر اس شہر پر نہیں تو اس گھر پر ضرور اللہ کا قہر نازل ہوگا۔ یہ گھر تباہ ہو جائے گا، برباد ہو جائے گا

(بیگم جھٹ اٹھ کر ملاجی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہیں)

بیگم: اللہ نہ کرے۔ اللہ نہ کرے۔

(ملاجی بیگم کا ہاتھ منہ پر سے ہٹا دیتے ہیں)

ملاّ: اللہ ضرور کرے گا۔ ضرور بالضرور کرے گا۔

بیگم: آپ کے منہ میں تو آگ بھری ہے۔ ہر جگہ دہکتے ہوئے کوئلے گراتے رہتے ہیں۔

ملاّ: وہ وقت بھی بہت جلد آنے والا ہے جب اللہ کے قہر کی آگ اس گھر کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

بیگم: خدا کے لیے اپنی زبان بند کرو۔

ملاّ: میری پیشین گوئی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ قہر آنے والا ہے۔ بڑی جلدی آنے والا ہے۔

بیگم: قہر کیوں آئے گا؟

ملاّ: قہر کیوں نہیں آئے گا۔ بے جان جانور صحن میں صبح سے بھوکا کھڑا ہے۔ خود پیٹ بھر کر دو وقت کھاتی ہو، مگر یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ پاس ہی ایک بے جان جانور بھوکا کھڑا ہے۔ کیوں اللہ کے قہر و غضب کو بلاتی ہو۔ بیگم، ڈرو۔ آنے والے وقت سے ڈرو۔ اللہ کے قہر و جلال سے۔

بیگم: ارے وہ گدھا۔

(بیگم زور سے ہنستی ہیں)

ملاّ: ہنستی ہو۔ ہنسو۔ خوب ہنسو۔ جس قدر جی چاہے ہنس لو، مگر بہت جلد تمھیں آٹھ آٹھ آنسو رونا پڑے گا۔

بیگم: روئیں میرے دشمن۔ میں کیوں روؤں گی۔

ملاّ: روؤ گی اور ضرور روؤ گی۔

بیگم: روئے گا وہی جو اپنے جانور کو بھوکا رکھتا ہے۔ گدھا۔ گا ــــ دــــ ھا ــــ

(بیگم پھر ہنستی ہیں)

ملاّ: بیگم، شرم کرو۔

بیگم: میں کہتی ہوں کہ یہ پیارا سا خوب صورت جانور تمھارا ہے یا میرا۔

ملاّ: میرا ہے اور تم میری بیوی ہو، اس لیے گدھا

تمھارا بھی ہے اور پھر گدھے پر چیزیں لاد کر بیچتا ہوں۔ ان سے جو کچھ کماتا ہوں کیا اس سے تمھارے لیے روٹی اور کپڑا نہیں خریدا جاتا؟

بیگم: گدھا تمھارا ہے۔ اسے چارہ دینا تمھارا فرض ہے، میرا نہیں ہے۔

مُلّا: میں نے کہا نہیں کہ اس کی کمائی میں سے تم بھی حصہ لیتی ہو۔

بیگم: کماتا میرا شوہر ہے۔

مُلّا: مگر تمھارا شوہر اس گدھے کے ذریعے ہی تو کماتا ہے۔

بیگم: نہ کمائے گدھے کے ذریعے۔

ملّا: تو کیا خود گدھا بن کر سامان اپنی پیٹھ پر رکھ کر بازار چلا جائے؟

بیگم: جو جی چاہے کرے۔ اس کا فرض ہے کہ کمائے، خود کھائے، بیوی کو کھلائے۔

مُلّا: بیگم، مجھ سے باتیں مت کرو۔ گدھے کو چارا دینا تمھارا فرض ہے۔

بیگم: (زور زور سے سر ہلاتے ہوئے) نہیں، نہیں — اور نہیں۔

مُلّا: تم گدھے کو چارا دو گی۔

بیگم: میں تو گدھے پر لات بھی نہیں ماروں گی۔

مُلّا: اور اگر اس نے تم پر دولتی جھاڑ دی تو۔

بیگم: میں پاؤں سے جوتا اتار کر اس کی کھال ادھیڑ دوں گی۔

ملّا: تم ہوتی کون ہو میرے پیارے گدھے کی کھال ادھیڑنے والی۔

بیگم: دولتی جھاڑے گا تو اس کا یہی نتیجہ ہوگا۔

مُلّا: بیگم، مجھ سے زیادہ بولا نہیں جاتا۔ مہربانی کر کے گدھے کو چارا دے دو۔

بیگم: خود گھر میں ہو۔ اپنے گدھے کو چارا دو یا نہ دو۔ مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے، کوئی غرض نہیں۔

مُلّا: اچھا، آج ڈال دو۔

بیگم: آج تو بالکل نہیں ڈالوں گی۔

مُلّا: تمھیں ڈالنا پڑے گا۔

بیگم: میں نہیں ڈالوں گی۔ نہیں ڈالوں گی — اور نہیں ڈالوں گی۔

مُلّا: اور میں بھی نہیں ڈالوں گا۔

بیگم: نہ ڈالو۔ کون مجبور کرتا ہے تمھیں۔

مُلّا: بیگم، یہ تو بہت بُری بات ہوگی۔ گدھا بھوکا مر جائے گا۔

بیگم: مر جائے۔ میری بلا سے۔

(مُلّا جی سر جھکا کر کچھ سوچنے لگتے ہیں)

مُلّا: بیگم!

بیگم: کہو۔

مُلّا: یوں کرتے ہیں کہ ہم دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔

بیگم: پھر۔

مُلّا: نہ میں تم سے کچھ کہتا ہوں اور نہ تم مجھ سے

کچھ کہو۔

بیگم: خاموشی کا روزہ رکھ لیں؟

ملاّ: ہاں۔ جو بھی پہلے بولے گا، وہی گدھے کو چارہ ڈالے گا۔ منظور ہے یہ شرط؟

بیگم: (بلند آواز سے) منظور ہے۔

ملاّ: آہستہ بولو۔

بیگم: ہمسایوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ملا نصرالدین اور ان کی بیگم کے درمیان شرط لگی ہے۔

ملاّ: اب چُپ ہو جاؤ۔

(بیگم دروازے کی طرف جانے لگتی ہیں)

کدھر چلیں؟

بیگم: زینت کے گھر۔

ملاّ: وہاں کیا کروگی؟

بیگم: جو دل میں آئے گا کروں گی۔

ملاّ: وہاں بولو گی۔

بیگم: شرط یہ ہے کہ اس گھر میں کوئی نہ بولے، وہاں جا کر بول سکتی ہوں۔

ملاّ: اچھا، ٹھیک ہے۔ شرط شروع۔

بیگم: شروع!

(بیگم کمرے سے نکل جاتی ہیں)

دوسرا منظر

منظر: زینت کا گھر۔ زینت کھٹولے پر بیٹھی کوئی کپڑا تہہ کر رہی ہے۔ بیگم آتی ہیں)

بیگم: کیا کر رہی ہو زینت۔

زینت: کچھ نہیں بے کار بیٹھی ہوں۔ کیا آج ملاّجی ابھی تک گھر نہیں آئے؟

بیگم: گھر میں ہیں۔

زینت: خدانخواستہ جھگڑا تو نہیں ہو گیا ان سے؟

بیگم: کہنے لگے میرے گدھے کو چارا ڈالو۔ میں نے کہا۔ گدھا تمھارا ہے تم خود ڈالو شرط ہو گئی۔

زینت: شرط کیا ہے

بیگم: ہم میں سے جو بھی بولے گا، وہی گدھے کو چارا ڈالے گا۔ میں ادھر آ گئی ہوں اور وہ وہیں بیٹھے ہیں۔

زینت: گدھا بھوکا ہے؟

بیگم: ہاں، بھوکا ہے

زینت: اور ملاّجی کا اپنا کیا حال ہے؟

بیگم: ان کا حال؟ میں کیا جانوں؟

زینت: سارا دن کام کاج کر کے تھک تھکا کر گھر لوٹے ہیں۔ کھانا کھایا انھوں نے؟

بیگم: نہیں۔

زینت: انھیں تو کھانا کھلا دیتیں۔

بیگم: کیا کھلاتی؟ وہ تو آتے ہی خدا کے قہر و غضب کی پیشین گوئی کرنے لگے۔

زینت : وہ کیوں ؟

بیگم : ان کا گدھا جو بھوکا ہے۔

زینت : بہن، گدھا کچھ دیر اور بھوکا رہ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ کم از کم اپنے شوہر کو تو کھانا کھلا آؤ۔

بیگم : کھانا کھلانے جاؤں گی تو بولنا پڑے گا اور بولوں گی تو شرط ہار جاؤں گی۔

زینت : شرط ہار جاؤ گی تو کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

بیگم : میں تو نہیں جاؤں گی۔

زینت : شوہر بھوکا ہو اور بیوی شرط لگاتی پھرے یہ تو بہت بُری بات ہے۔

بیگم : شرط انھوں نے لگائی ہے۔ میں نے نہیں لگائی۔

زینت : شرط اپنی جگہ پر مگر کھانا دے آؤ۔

بیگم : میں کیوں شرط ہاروں ؟

زینت : اوہو۔ شرط کیوں ہارو گی۔

بیگم : بولنا ضرور پڑے گا۔

زینت : خاموشی سے کھانا رکھ آؤ۔

بیگم : ہوسکتا ہے کہ میرے منھ سے کوئی لفظ نکل جائے۔

زینت : مجھ سے تو یہ برداشت نہیں ہوسکتا کہ مُلاّ جی بھوکے رہیں اور تم یہاں بیٹھ کر گپیں ہانکو۔

بیگم : شرط لگائی ہے تو اس کا مزا بھی چکھیں۔

زینت : (آواز دیتے ہوئے) اشرف بیٹا !

اشرف : (باہر سے) جی اماں،

زینت : ادھر آؤ بھاگ کر

(اشرف آتا ہے۔ عمر نو دس برس)

اشرف : جی اماں فرمائیے کیا حکم ہے ؟

زینت : دیکھو بیٹا، ادھر الماری میں دودھ کا گلاس پڑا ہے۔ تایا جان کو دے آؤ۔

اشرف : مُلاّ جی کو ؟

زینت : ہاں بیٹا۔

بیگم : اشرف، ان سے یہ نہ کہنا کہ تائی نے بھجوایا ہے۔ کہنا اماں نے بھجوایا ہے۔

(اشرف چلا جاتا ہے)

تیسرا منظر

(مُلاّ جی کا گھر۔ مُلاّ جی بیٹھے ہیں۔ سامنے چیزیں بکھری ہوئی ہیں۔ اشرف آتا ہے)

اشرف : السّلام علیکم تایا جان !

(مُلاّ جی خاموش ہیں)

اشرف : میں نے عرض کیا ہے تایا جان۔ یہ دودھ کا گلاس تائی نے — نہیں نہیں اماں نے بھجوایا ہے۔

(مُلاّ جی گلاس لے کر پینے لگتے ہیں)

اشرف : تایا جان، آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ بولتے کیوں نہیں ؟

(ملاجی گلاس لے کر پینے لگتے ہیں)

اشرف: تایاجان، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ بولتے کیوں نہیں؟

(ملاجی بدستور خاموش ہیں۔ خالی گلاس ایک طرف رکھ دیتے ہیں)

اشرف: تایاجان، میں نے کہا تایاجان، اے تایاجان جی — (زور سے) تایاجان!

(ملاجی خاموش ہیں)

اشرف: تایاجان! (منھ کان کے قریب لے جاکر) تایاجان!

(ملاجی خاموش ہیں)

اشرف: تایاجان۔ یہ کیا ہوا ہے، گھر کا سامان کہاں گیا؟

(ملاجی خاموش ہیں۔ اشرف بھاگ کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ ملاجی بیٹھے رہتے ہیں۔ بیگم آتی ہیں۔ ادھر ادھر دیکھتی ہیں۔ ان کے پیچھے اشرف اور زینت بھی ہیں۔)

بیگم: ہائے اللہ یہ کیا ہوا، گھر کا سامان کہاں گیا؟

ملاجی: (مسکرا کر) شکر الحمدللہ، تم شرط ہار گئیں۔ جاؤ چارا ڈالو گدھے کو۔

بیگم: اور سامان کدھر گیا؟

ملا: سامان — چور لے گئے ہیں۔

بیگم: چور لے گئے ہیں؟ تمھارے سامنے!

ملا: ہاں۔

بیگم: تم نے ان کو چوری کرنے دی؟

ملا: میں کیا کر سکتا تھا۔ بولتا تو شرط ہار جاتا۔ اب میں نے شرط جیت لی ہے۔ ملا نصرالدین کبھی شرط نہیں ہار سکتے۔

(بیگم "لوگو، میں لٹ گئی" کہہ کر زور زور سے رونے لگتی ہیں۔ زینت انھیں سنبھالنے کی کوشش کرتی ہے اور

پردہ گرتا ہے

گیہوں کی فصل

(زہرہ اسماعیل، کراچی)

ایک بار ملا نصرالدین سفر میں تھے۔ انھوں نے ایک گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے دیکھا کہ ایک حجام اپنی کشوت لیے بیٹھا ہے۔ ملا نے سوچا، حجامت بڑھی ہوئی ہے یہیں فارغ ہو لینا چاہیے اور حجامت کے لیے بیٹھ گئے۔ اوزار پرانے تھے اس لیے ملا کا سر کئی جگہ سے کٹ گیا۔ کٹے ہوئے حصے پر حجام روئی رکھتا جاتا تھا۔ جب آدھا سر حجام نے مونڈ دیا تو ملا نے کہا، "بس کر بھائی۔ آدھے سر میں تو نے روئی کاشت کر دی، اب بقیہ آدھے سر میں گیہوں کی فصل بونا چاہتا ہوں۔"

بچّوں کے خاص رسالے

ہمدرد نونہال

کا خاص نمبر اگست ۷۰ء میں شائع ہو رہا ہے

جس میں بچّوں کی دل چسپی کی ہر چیز ہو گی

- انوکھی کہانیاں
- سائنسی مضامین
- مہم جوئی کے قصّے
- معلوماتی خبریں
- تصویریں
- تاریخی واقعات
- کارٹون، لطیفے
- نظمیں
- اور امریکی ملکوں کی کہانیاں

تعلیمی انعام

خاص نمبر میں بچّوں کی خواہش کے مطابق تعلیمی انعام بھی رکھا گیا ہے۔ خاص نمبر کی ہر کاپی پر سلسلہ وار نمبر پڑے ہوں گے۔ ان نمبروں میں سے ۱۲۵ انعامی نمبر ہوں گے جو جناب حکیم محمد سعید صاحب چنیں گے اور ستمبر ۷۰ء کے ہمدرد نونہال میں ان کو شائع کریں گے۔ جن بچّوں کی کاپیوں میں یہ نمبر نکل آئیں وہ اس نمبر کے ساتھ چھپے ہوئے فارم پر اپنا پتا لکھ کر دفتر کو بھیج دیں۔ ان کے نام ہمدرد نونہال ایک سال کے لیے بلا قیمت جاری کر دیا جائے گا۔ جو بچّے پہلے سے خریدار ہیں، ان کی مدّتِ خریداری ایک سال کے لیے بڑھا دی جائے گی۔

ہمدرد نونہال کے خاص نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہو گی، لیکن سالانہ خریداروں کو بلا قیمت دیا جائے گا۔ جو بچّے اب تک خریدار نہیں ہیں وہ جلدی سے آٹھ روپے منی آرڈر سے بھیج کر خریدار بن جائیں، تاکہ ان کو خاص نمبر شائع ہوتے ہی بھیج دیا جائے۔

پچھلے سال کا خاص نمبر بہت جلد فروخت ہو جانے کی وجہ سے بہت سے بچّوں کو نہیں مل سکا تھا، اس لیے اپنی کاپی کا آرڈر اپنے اخبار فروش یا بک اسٹال کو ابھی سے دے دیجیے۔

دفتر ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

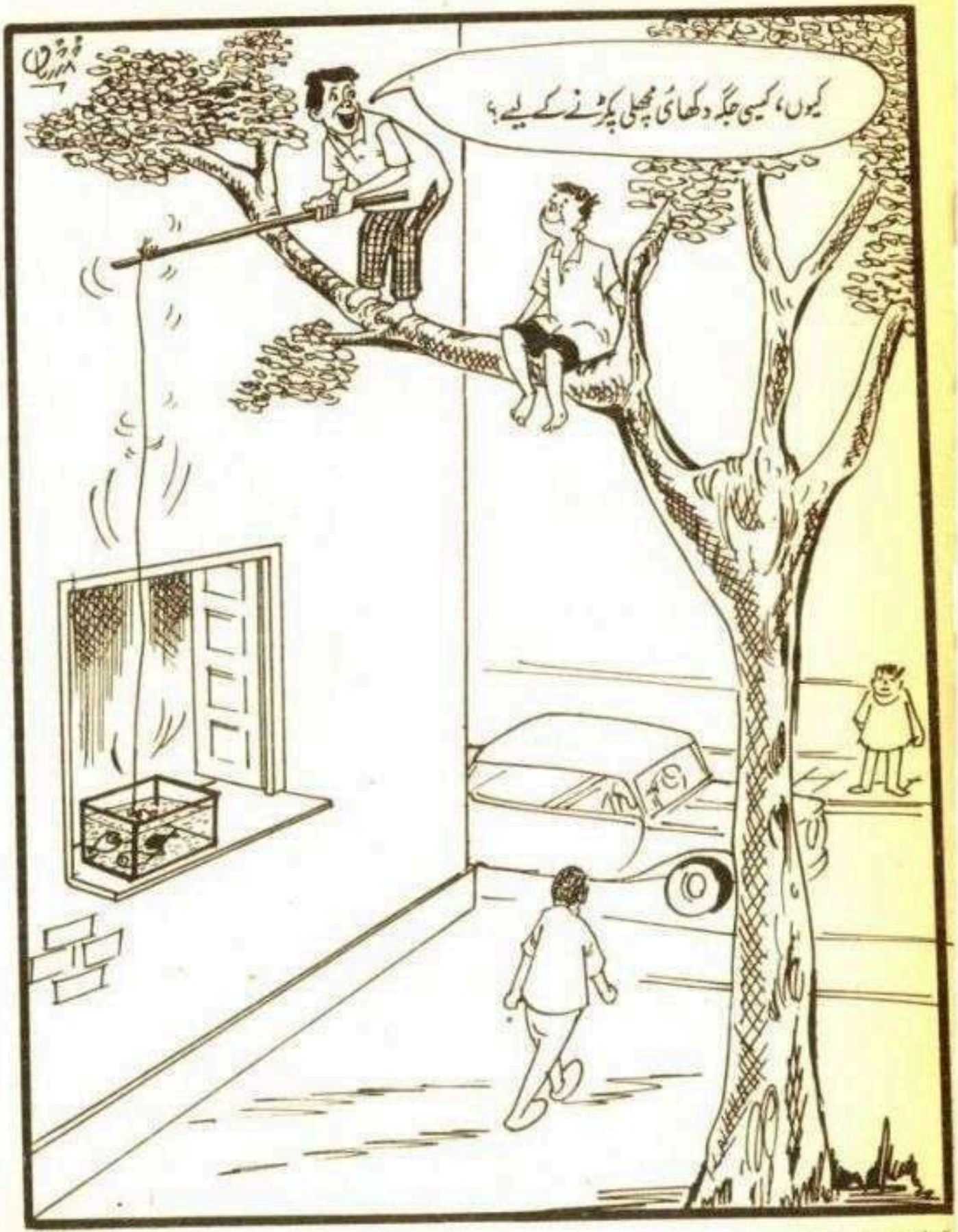
کیوں، کیسی جگہ دکھائی مچھلی پکڑنے کے لیے؟

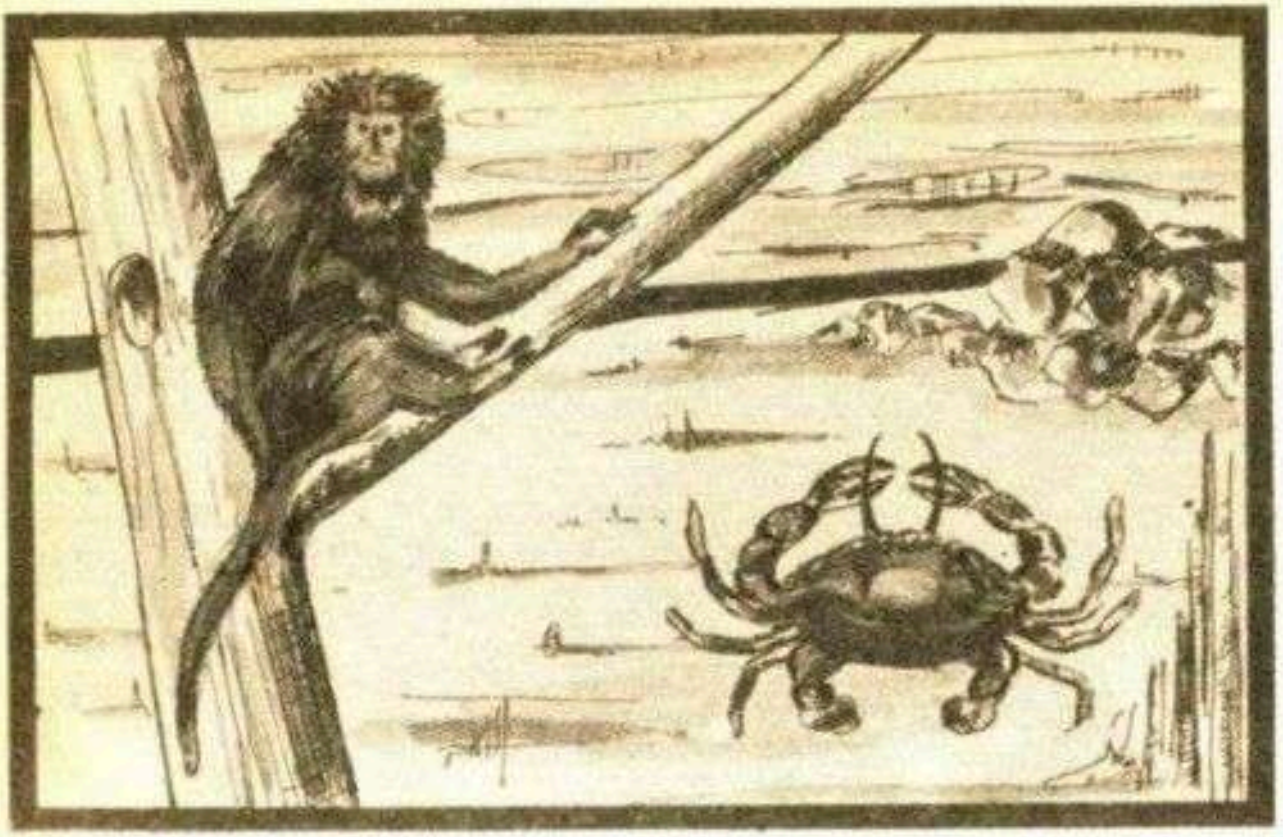

شرارت کی سزا

علی اسد

بہت دِن ہوئے ایک جگہ شریر بندر رہا کرتا تھا۔ عام طور سے بندر طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہی رہتے ہیں، مگر یہ بندر خصوصیت کے ساتھ بے حد شریر واقع ہوا تھا۔ سارا سارا دن اور اکثر راتوں کو بھی وہ اس تلاش میں رہتا تھا کہ کوئی مِل جائے اور یہ اس کے ساتھ شرارت کرے۔ پھر جب شرارت کر چکتا تو خوب کھیسیں نکال کر ہنستا اور ایسا مسکین بن جاتا کہ کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہوتا کہ یہ اس قدر آفت کا پرکالہ ہے۔ اس بندر کا نام نَند کو تھا۔

ایک روز سرِ شام نند کو ایک درخت کی شاخ پر نہایت اُداس بیٹھا ہوا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ دن ختم ہونے والا تھا، مگر اس وقت تک وہ ایک بھی شرارت نہیں کر سکا تھا۔ وہ

یہ سوچ رہا تھا کہ آج کا دِن اکارت ہی گیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سا کیکڑا آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس کی پیٹھ پر ایک بڑی سی چاول کی ٹکیا رکھی ہوئی ہے۔ اس قسم کی چیز بندروں کو بہت مرغوب ہوتی ہے۔ چناں چہ نند کو اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ چاول کی ٹکیا تو مجھے مِلنا چاہیے۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ درخت سے کود کر زمین پر آ گیا پھر اس نے زمین پر پڑی ہوئی بیر کی ایک گٹھلی اٹھالی اور کیکڑے کے قریب جا کر بولا، "کیکڑے میاں، یہ بیج دیکھتے ہو؟" یہ کہہ کر اس نے کیکڑے کو بیر کی گٹھلی دکھائی۔ "اس کو اگر زمین میں بو دیا جائے تو اتنا عمدہ درخت نکل آئے گا کہ تم نے کبھی دیکھا بھی نہ ہوگا۔ میں اس کو اپنے گھر لیے جا رہا ہوں، تاکہ اور لوگوں کے دیکھنے سے پہلے ہی میں اسے اپنے باغ میں لگا دوں۔"

کیکڑے نے اپنا سر ٹیڑھا کر کے بیر کی گٹھلی کو دیکھا اور کچھ سوچ کر بولا، "پھر تو تم یہ کسی کو بھلا کیوں دینے لگے!"

بندر نے بڑی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے جواب دیا، ہاں میں یہ دے بھی سکتا ہوں کہ بشرطیکہ اس کے بدلے مجھے کوئی دوسری چیز دو، لیکن تم تو محض ایک کیکڑے ہو۔ تمھارے پاس میرے کام کی بھلا کیا چیز ہو سکتی ہے۔" یہ کہہ کر بندر نے ایسا ظاہر کیا کہ گویا وہ اب اپنے گھر جانے والا ہے۔

"ٹھیرو ٹھیرو۔ کیکڑا بولا، "یہ دیکھو میری پیٹھ پر چاول کی ایک ٹکیا ہے۔ میں اسے اپنے بچوں کے لیے گھر لیے جا رہا تھا، لیکن اگر تم یہ بیج مجھے دے دو تو میں یہ ٹکیا تم کو دے دوں گا کیوں کہ تم کہتے ہو کہ اس بیج سے بڑا شان دار درخت نکل آئے گا۔"

یہ سُن کر بندر نے اپنے چہرے کو اور بھی سنجیدہ بنایا اور بیر کی گٹھلی کیکڑے کے سپرد کر دی اور خود چاول کی ٹکیا اٹھا کر تیزی سے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ جب ٹکیا کھا چکا تو بندر خوب ہنسا اور بڑی دیر تک ہنستا رہا۔

ادھر کیکڑا بیر کی گٹھلی لے کر اپنے گھر پہنچا اور اسے زمین میں بو دیا۔ اس نے اپنے گھر میں اس چاول کی ٹکیا کا کوئی ذکر نہیں کیا جو وہ اپنے بچوں کے لیے لا رہا تھا۔ کچھ عرصے بعد بیر کا درخت خوب بڑا ہو گیا اور اس میں خوب پھل آنے لگے۔ اس عرصے میں نند کو بوڑھا

ہو چلا تھا۔ اب وہ اتنی شرارت نہیں کر پاتا تھا جتنی کہ پہلے کیا کرتا تھا، لیکن اب بھی جب اسے موقع مل جاتا تو شرارت سے باز نہ آتا تھا۔ ایک روز جو وہ اپنے گھر سے نکلا تو گھومتے گھماتے کیکڑے کے گھر کے پاس پہنچ گیا۔ کیکڑے کے گھر کے باہر بیر کا شاندار درخت لگا ہوا تھا۔ یہ وہی درخت تھا جس کا بیج نند کو نے چاول کی ٹکیا کے بدلے دیا تھا۔ بندر نے دیکھا کہ درخت میں خوب پھل آئے ہوئے ہیں اور درخت کے نیچے کیکڑا بیٹھا ہوا ہے۔ نند کو نے کہا، "تمھارے درخت میں تو خوب بیر آئے ہیں۔"

کیکڑے نے کہا، "ہاں، میں ان کے گرنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں تو تمھاری طرح درخت پر نہیں چڑھ سکتا، لہٰذا مجھے ان کے گرنے کا انتظار کرنا ہے، لیکن اب چوں کہ تم آ گئے ہو، لہٰذا اگر زحمت نہ ہو تو درخت پر چڑھ جاؤ اور میرے لیے بھی تھوڑے سے بیر لیتے آنا۔"

بندر بولا، "ہاں ہاں، میں بڑی خوشی سے یہ کام کر دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ کھیسیں نکالتا ہوا درخت پر چڑھ گیا، پھر جب درخت پر بیٹھ گیا تو کیکڑے کے لیے بیر توڑنے کے بجائے خود تیزی سے کھانے لگا۔ کیکڑے نے جب یہ دیکھا کہ بندر تو تمام بیر خود ہی کھائے جا رہا ہے تو وہ بولا، "مجھے بھی تھوڑے سے بیر پھینک دو۔"

"اچھا تو پھر یہ لو!" یہ کہہ کر بندر نے کچے کچے بیر کیکڑے کے اوپر پھینکنے شروع کر دیے۔ بے چارا کیکڑا بری طرح زخمی ہو گیا۔ وہ چلایا، "ارے ٹھیرو، ٹھیرو۔ تم تو مجھے مارے ڈال رہے ہو۔ بس مجھے اور بیر نہیں چاہییں۔ تمھارا شکریہ!" مگر بندر بھلا کہاں سننے والا تھا۔ وہ کچے کچے اور سخت سخت بیر کیکڑے پر پھینکتا رہا۔ کیکڑا بے چارا ادھ موا ہو گیا۔ ادھر بندر عمدہ عمدہ بیر اس اطمینان سے کھاتا رہا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ جب نند کو نے خوب اپنا پیٹ بھر لیا تب اطمینان سے درخت سے اتر آیا اور تیزی سے اپنے گھر چلا گیا۔ کیکڑا جو زمین پر زخمی پڑا ہوا تھا، اس کی طرف اس نے دیکھا بھی نہیں۔

بے چارا کیکڑا اس قدر زخمی ہو گیا تھا کہ وہ تو وہاں سے ہل بھی نہ سکا، چناں چہ وہ بڑی دیر تک اسی جگہ پڑا رہا پھر کچھ دوسرے کیکڑے جب ادھر سے گزرے تو انھوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر گھر کے اندر پہنچایا۔ کیکڑے کے گھر والوں نے جب اس کو اس حالت میں دیکھا تو سب نے مل کر مشورہ کیا اور بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچیں۔ انھوں نے جنگ کے لیے تین چیزوں

کا انتظام کیا۔ ایک تو کھرل اور موسل، دوسرے شہد کی مکھی اور تیسری چیز تھی جوز۔ اس کے بعد انھوں نے بندر سے جاکر کہا کہ تمھارے دوست کیکڑے کی حالت نازک ہے۔ دیکھنا ہو تو دیکھ لو۔ نند کو یہ سن کر کچھ افسوس ہوا اور اپنی حرکت پر ندامت بھی ہوئی، لہٰذا اس نے دوسرے روز آنے کا وعدہ کر لیا۔

چناں چہ صبح وہ کیکڑے کی طرف چل دیا۔ کیکڑے کے گھر والوں نے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا اور بندر کو آگ کے قریب بٹھایا پھر سب لوگ ان دونوں کی باتیں کرنے لگے۔ جب بندر اور کیکڑے میں دوستی تھی۔ بیر کے درخت اور پھلوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ بندر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید یہ لوگ میری پچھلی شرارتوں کو بھول چکے ہیں۔ یہ سب اسی طرح باتیں کر ہی رہے تھے کہ نند کو نے دیکھا کہ آگ کچھ مدھم ہو گئی ہے، چناں چہ وہ اسے اکسانے کے لیے آگے جھکا، لیکن جوں ہی اس نے راکھ کو کریدا تو وہ جوز جو کیکڑے نے آگ میں چھپا رکھا تھا، گرمی پاکر ایک دم سے پھٹ پڑا اور بندر کی ناک پر زور سے ٹکرایا۔ بندر کی یہ سمجھ میں نہ آیا کہ کس چیز نے اس کی ناک پر ضرب لگائی۔ وہ سیدھا دروازے کی طرف بھاگا، مگر قبل اس کے کہ وہ وہاں تک پہنچتا، ایک شہد کی مکھی دروازے سے نکل کر اس کے چہرے کو کاٹنے لگی۔ بندر بڑی تیزی سے دروازے سے نکل کر بھاگنے لگا، لیکن دروازے سے نکلنے نہ پایا تھا کہ کھرل اور موسل دھڑام سے اس کے سر پر آگرا اور وہ چکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

پھر کیا تھا۔ ہر طرف سے طرح طرح کے چھوٹے بڑے کیکڑے آنے شروع ہو گئے اور ہر ایک نے بندر کو کاٹنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اس بری طرح سے اس کو کاٹا کہ نند کو پناہ مانگ گیا، مگر کیکڑوں نے اسے نہ چھوڑا۔ وہ اسے کاٹتے ہی رہے۔

بندر کی حالت جب بالکل غیر ہو گئی تو کیکڑوں نے اسے گھسیٹ کر دروازے کے باہر پھینک دیا۔ پھر سب سے بوڑھے کیکڑے نے اس سے کہا، "اب یاد رکھنا کہ تم جیسا دوسروں کے ساتھ کرو گے، ویسا ہی دوسرے بھی تمھارے ساتھ کریں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں تو تم بھی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

نند کو میاں زخموں سے لہو لہان بڑی مشکل سے گھسٹتے ہوئے اپنے گھر پہنچے اور کئی روز تک وہ اس لائق نہ ہو سکے کہ درخت پر چڑھتے مگر اس روز کے بعد سے پھر انھوں نے دوسروں کے ساتھ اس قسم کی شرارتیں کرنا چھوڑ دیں۔

مگرمچھ کے آنسو

عبدالجلیل قریشی

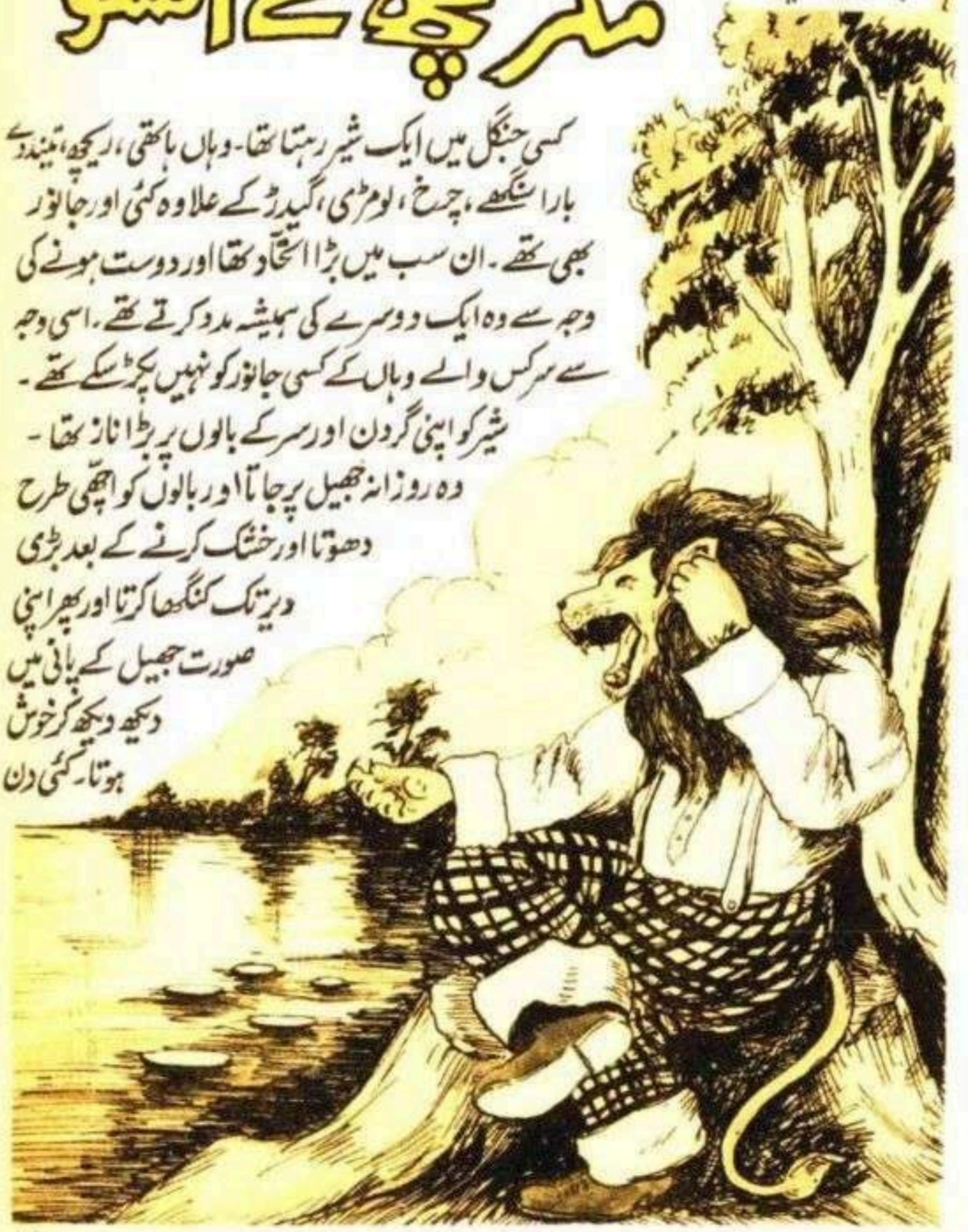

کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہاں ہاتھی، ریچھ، تیندوے، بارہ سنگھے، چرخ، لومڑی، گیدڑ کے علاوہ کئی اور جانور بھی تھے۔ ان سب میں بڑا اتحاد تھا اور دوست ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی ہمیشہ مدد کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سرکس والے وہاں کے کسی جانور کو نہیں پکڑ سکے تھے۔

شیر کو اپنی گردن اور سر کے بالوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ روزانہ جھیل پر جاتا اور بالوں کو اچھی طرح دھوتا اور خشک کرنے کے بعد بڑی دیر تک کنگھا کرتا اور پھر اپنی صورت جھیل کے پانی میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا۔ کئی دن

سے اس نے سر میں تیل ڈالنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ خالص چنبیلی کا تیل ملتا نہیں تھا اور اس کا خیال تھا کہ دوسرے ملک کے تیار کیے ہوئے تیل ڈالنے سے سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ اسی دیکھ بھال کی وجہ سے اس کے بال بہت بڑے ہونے کے علاوہ خوب صورت بھی ہو گئے تھے اور جب ان پر دھوپ پڑتی تو سنہری چمکیلے بال اتنے اچھے معلوم ہوتے کہ دوسرے جانور بھی اسے دیکھتے ہی رہتے۔ بعض وقت وہ ان جانوروں کو دیکھ کر خوب ہنسا کرتا جنھوں نے اپنے بال نئی وضع کے کٹوائے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ جب تک سر پر بال نہ ہوں جانور شریف ہی معلوم نہیں ہوتا۔

ایک روز وہ بال دھونے کے بعد ان کو خشک کرنے کے لیے چٹان پر بیٹھ گیا اور پھر کنگھا کرتے کرتے مزے میں آکر "میرے بالوں کی دیکھو بہار!" گانے لگا۔ جس طرح اس کے بال خوب صورت تھے، اسی طرح اس کی آواز بھی سُریلی تھی۔ اس کو غزلوں کے علاوہ قوالیاں اور فلمی گانے بھی یاد تھے، البتہ پکے گانوں میں اس کی آواز بے سُری ہو جاتی تھی، اسی لیے وہ راگ راگنی بہت کم گاتا تھا، لیکن جب وہ قوالی، غزلیں یا فلمی گانے گاتا تو اس کے دوست بھی اکٹھے ہو جاتے تھے، مگر اس وقت اس کے گانے پر کوئی دوست نہیں آیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ لنچ کا وقت ہے اور سب دوپہر کے کھانے پر گئے ہوں گے۔ اس نے اپنے دل میں کہا، "خیر کوئی بات نہیں ہے۔ غزل بھی تازہ ہے جو اسی ماہ کے ماہ نامہ "جنگل" میں چھپی ہے اور دُھن بھی بالکل نئی اور انوکھی بنائی ہے۔ ذرا مشق کر لوں پھر سب کو سناؤں گا۔"

اس کی سریلی آواز کی وجہ سے کئی مرتبہ سرکس والوں نے کوشش کی کہ اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس لیے کہ اوّل تو وہ بہت اچھا گاتا تھا۔ دوسرے ان کا خیال تھا کہ وہ اس کو کوئی ایسا ہنر سکھائیں گے جو دیکھنے والوں کے لیے بالکل انوکھا ہوگا، لیکن اس کو ان کے ساتھ کسی قیمت پر جانا پسند نہیں تھا، البتہ ریڈیو اور ٹی وی والے اس کے گانوں کے کئی ریکارڈ بھر کر اور فلمیں اتار کر لے گئے تھے۔

وہ بڑی دیر تک گانے کی مشق کرتا رہا۔ اس وقت اس کو اپنی آواز خود بھی بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے ہوئے بس گائے چلا جا رہا تھا۔ یکایک اسے بالوں کے جلنے کی بو آئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کے سر کے بالوں میں آگ لگی ہوئی

تھی۔ نہ معلوم کہاں سے کوئی پتنگا بالوں میں آکر گر گیا تھا جس کی وجہ سے بال بُری طرح جل رہے تھے۔ وہ تیزی کے ساتھ جھیل کی جانب بھاگا، لیکن جتنی تیز وہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہوا کی تیزی کی وجہ سے آگ اتنا ہی زور پکڑتی۔ جھیل پہ پہنچنے کے بعد وہ پانی میں کود گیا۔ اور بڑی دیر کے بعد جب وہ غوطہ

لگا کر باہر نکلا تو آگ تو بجھ چکی تھی، لیکن بال سب جل گئے تھے۔ اس نے پنجہ پھیر کر دیکھا تو چندیا صفا چٹ تھی۔ تعجب سے اس کا منھ کھُلا کا کھُلا رہ گیا اور پھر کچھ دیر کے بعد اس نے زور زور سے ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے کہا، "ہائے میں برباد ہوگیا۔ میں اب کیا کروں۔ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ جو بھی مجھے دیکھے گا، ذلیل کرے گا۔ اب تو یہی اچھا ہوگا کہ کہیں منھ چھپا کر بیٹھ جاؤں۔"

اس نے جھیل سے نکل کر چاروں طرف دیکھا۔ قریب ہی ایک بہت موٹا سوکھا درخت نظر آیا جس کا تنا کھوکھلا تھا۔ اس نے سوچا کہ چھپنے کے لیے یہی بہتر جگہ ہے۔ وہ جا کر تنے میں چھپ گیا، لیکن تنا اتنا بڑا نہیں تھا کہ پوری طرح چھپ سکتا۔ سر اور جسم کا کچھ حصّہ تو تنے کے اندر چلا گیا اور باقی جسم باہر ہی رہا جس کو سب دیکھ سکتے تھے۔

شیر کو چھپے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڑی چونچ والی چڑیا وہاں پہنچ گئی۔ یہ بھی جانوروں کی اتحادی کمیٹی کی ممبر اور شیر کی دوست تھی۔ اس کی چونچ بہت بڑی، لیکن پیٹ بہت چھوٹا تھا، اسی لیے وہ باتیں تو بہت کرتی تھی اور اس کے پیٹ میں کوئی بات

نہیں ٹھہرتی تھی۔ جب وہ درخت کے ٹھنٹھ پر جاکر بیٹھی تو اس نے دیکھا کہ شیر کا سر تو تنے میں ہے اور جسم باہر۔ وہ سوچنے لگی کہ "اللہ خیر! یہ کیا معاملہ ہے کہ شیر اس طرح چھپا بیٹھا ہوا ہے۔" اس نے پوچھا، "میرے بہادر شیر، تمھیں کیا ہوگیا ہے تم اس طرح منھ اندر کیے ہوئے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

چڑیا کا سوال سن کر شیر سوچنے لگا کہ کیا جواب دے۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اپنا جلا ہوا سر دکھائے۔

"بہادر شیر، تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ بتاؤ تمھیں آج کیا ہوا ہے؟" چڑیا نے پھر پوچھا۔ اس کے دوبارہ سوال کرنے پر شیر نے اپنا سر باہر نکالا اور روتے ہوئے چڑیا کو اپنے بالوں کے جلنے کا قصہ سنایا، "اے اچھی چڑیا، تم یہ بات کسی کو نہ بتانا کہ میرے سر کے بال جل گئے ہیں، ورنہ مجھے بڑی شرمندگی ہوگی۔"

"نہیں بہادر شیر، تم بے فکر رہو۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی!" چڑیا نے اسے یقین دلایا اور وہاں سے اُڑ کر چلی گئی، مگر وہ پیٹ کی بہت ہلکی تھی۔ بات اس کے پیٹ میں نہ ٹھہر سکی اور آناً فاناً تمام جانوروں کو معلوم ہوگئی۔ سب جانور فوراً اپنی مخصوص جگہ پر اکٹھے ہوگئے۔ وہ اس جگہ کو گھٹان کہتے تھے۔ یہیں بیٹھ کر جانوروں کی بھلائی کے سب پروگرام بنتے تھے۔ اس کے علاوہ قومی ترقی کے لمبی مدت کے منصوبے بھی یہیں بنائے جاتے تھے۔

فوراً ہی ان کی اسمبلی کا ہنگامی اجلاس ہوا اور مشورے کے بعد طے پایا کہ ابھی سب کو شیر کے پاس چلنا چاہیے اور اس کی مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے ساتھ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس

کے بالوں کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔

چڑیا ہاتھی کے کان پر بیٹھ کر سب کو اس جگہ لے گئی جہاں شیر درخت کے تنے کے پاس منھ لٹکائے ہوئے رو رہا تھا۔ وہ چڑیا کے جانے کے بعد سے اب تک اتنا رو چکا تھا کہ اس پاس کئی فیٹ تک زمین گیلی ہو رہی تھی۔ شیر نے جانوروں کو آتا ہوا دیکھ کر پھر اپنا منھ لکڑی کے تنے میں چھپا لیا۔

"اپنا منھ باہر نکالو اے شیر۔" تم کو سب دیکھنے آئے ہیں۔" چڑیا نے کہا۔

لیکن شیر نے نہ تو منھ باہر نکالا اور نہ کوئی جواب دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد آخر کار ہاتھی بولا، "میرے پیارے دوست، تم اپنا منھ تو دکھاؤ ہم تمھارا مذاق نہیں اڑائیں گے۔ ہم تو تمھیں دیکھنے کے بعد بیٹھ کر یہ سوچیں گے کہ تمھارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

"شرم کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" گیدڑ نے کہا۔

"ہم تم پر ہنسنے کے لیے تھوڑی آئے ہیں۔" بارا سنگھا بولا۔

"تم تو بہادر شیر ہو۔ اپنا دل چھوٹا کیوں کرتے ہو۔ شیر بنو شیر۔" تیندوے نے ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

شیر ان کی باتیں سن کر سوچنے لگا کہ اپنے دوستوں سے کب تک منھ چھپاؤں گا اور یہ تو میری مصیبت پر ہمدردی کرنے آئے ہیں۔ اس لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ان سے یوں منھ چھپائے بیٹھا رہوں۔ اس نے اپنا سر باہر نکال کر روتے ہوئے اور آہیں بھرتے ہوئے کہا، "دیکھ رہے ہو میرے سر پر ایک بال بھی نہیں رہا، چندیا صاف ہے۔"

"بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔" ہاتھی نے [illegible] کی صفاچٹ چندیا دیکھتے ہوئے کہا، "اگر ہم نے اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں سوچی تو مجھے یقین ہے کہ دوبارہ بالکل نہیں نکلیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کے لیے ایک [illegible] کی ٹوپی تیار کرنا چاہیے۔" ہرن نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی ایسی جڑی بوٹی تلاش کریں جس کے لگانے سے سر کے بال دوبارہ نکل آئیں۔" لومڑی نے کہا۔

"یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ اس کے لیے بالوں کی ٹوپی ہی ٹھیک رہے گی۔" ریچھ نے

اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ ٹھیرو۔ مجھے ایک ایسا علاج معلوم ہے جس سے یہ مصیبت ختم ہو سکتی ہے۔"
ہاتھی نے کہا اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کان پھڑپھڑاتے ہوئے دوبارہ بولا، "دنیا میں اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ اگر مگرمچھ کے آنسوؤں کو اس کے سر پہ ملا جائے تو دوبارہ بال نکل سکتے ہیں۔"

"مگرمچھ کہاں ہے؟" کیا کسی کو معلوم ہے؟" چرخ نے پوچھا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" چڑیا نے کہا، "پہاڑ کے اس پار ایک جھیل ہے، اس میں رہتا ہے۔"

"لیکن وہ تو بہت خطرناک علاقہ ہے۔" گیدڑ نے کہا۔

"وہاں جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تیندوا بولا۔

"کوئی پروا نہیں۔ یہ وقت کام کا ہے۔ آؤ ہم بالٹی لے کر وہاں چلیں۔" ہاتھی نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے ایسے کہا جیسے ہر جانور جانے پر تیار ہو جائے گا۔

"میرے لیے تو یہ کام بہت مشکل ہے۔" چکارے نے کہا۔

"میں تو آج کل نزلے زکام میں مبتلا ہوں۔" ہرن نے چھینکتے ہوئے کہا۔
"میرے پیر میں کئی دن سے تکلیف ہے۔" گدھے نے اپنے پیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"سب کو معلوم ہے، میری گردن میں درد ہے۔" اونٹ بولا۔
"یہی حال اپنا ہے۔ درد کی وجہ سے بدن دُکھ رہا ہے۔" لومڑی بولی۔
"میں جا تو سکتا ہوں، لیکن آج نہیں، کچھ دنوں کے بعد جا سکوں گا۔" تیندوا بولا۔
"دوستو! میں سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔ اگر تم نے میری دوا نہیں کی تو میں دیپک راگ گانا شروع کر دوں گا اور پھر جنگل میں آگ لگ جائے گی۔" شیر نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں، ایسا نہ کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر جانور جانے سے مجبور ہے۔ اس لیے مجھے تنہا ہی جانا پڑے گا۔" ہاتھی نے کہا، پھر اس نے کھڑے ہو کر سونڈ سے بالٹی پکڑی اور گھنے جنگل کی جانب روانہ ہو گیا۔ جنگل بہت گھنا اور ڈراؤنا تھا، لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔

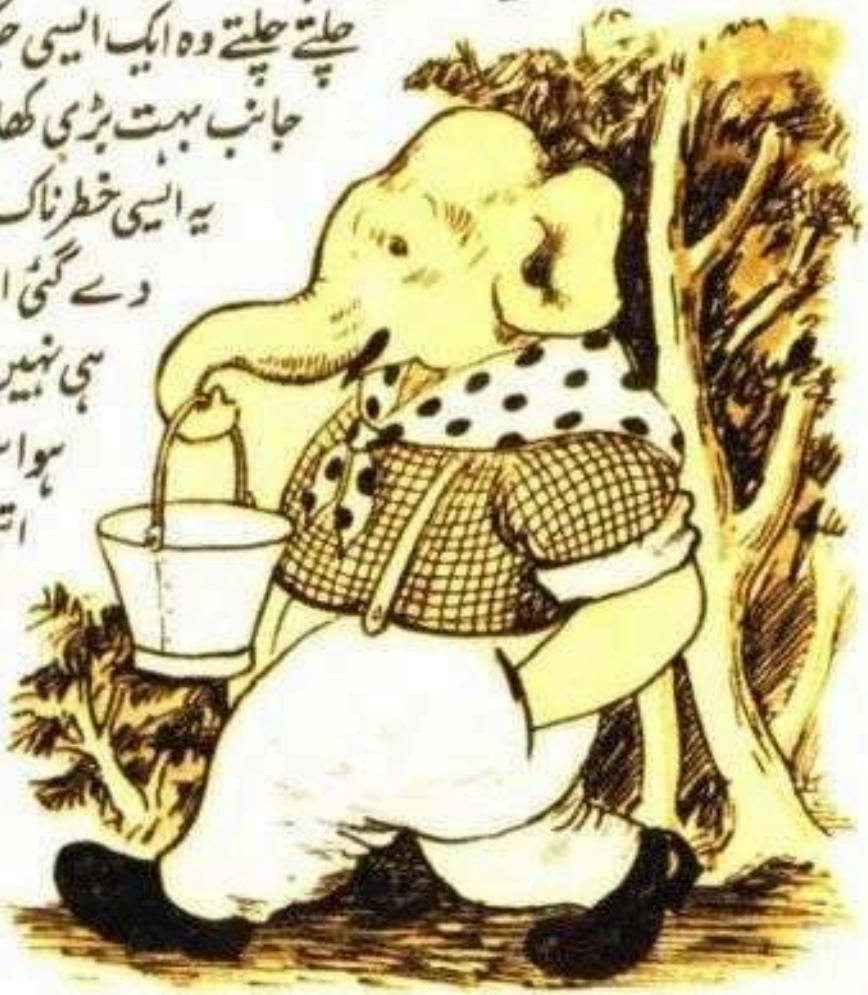

چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں راستے کے ایک جانب بہت بڑی کھائی تھی اور راستہ بہت تنگ تھا۔ یہ ایسی خطرناک جگہ تھی کہ اس کی ہمت جواب دے گئی اور اس کو آگے بڑھنے کی جرات ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ کھڑا ہوا سوچتا رہا کہ واپس ہو جائے، لیکن اتنی دور آ جانے کے بعد واپس ہونا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اگر وہ واپس ہو جاتا ہے تو سب اس کا مذاق بھی اُڑائیں گے اور پھر شیر کا سر بھی ویسا ہی رہ جائے گا۔
"نہیں نہیں، مجھے ہر حالت

میں مگرمچھ کے آنسو لانے چاہییں۔" اپنے دل میں پکا ارادہ کرنے کے بعد وہ بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھا۔ جب وہ اس تنگ راستے سے گزر گیا تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک جگہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے نکلتے ہوئے کئی جگہ سے اس کی کھال چھل گئی جس سے اس کو بہت تکلیف ہوئی، مگر کچھ دور پر اسے ایک جوہڑ مل گیا جس میں کافی کیچڑ تھی۔ اس نے فوراً ہی کیچڑ میں لوٹ لگائی جس کی وجہ سے اس کی تکلیف کم ہوگئی، پھر وہ اپنی سونڈھ میں بالٹی لٹکائے ہوئے جھیل کی جانب روانہ ہوگیا۔

بہت دیر تک چلنے کے بعد اسے جھیل دکھائی دی۔ جب وہ کچھ دور اور چلا تو اسے جھیل کے کالے پانی میں ایک موٹا لٹھا دکھائی دیا، لیکن یہ کیا؟ لٹھے کی تو آنکھیں ہی نہیں ہوتیں یہ سوچتا ہوا جب وہ جھیل پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جس کو وہ لٹھا سمجھ رہا تھا، وہ بہت بڑا مگرمچھ تھا۔ یہ مگرمچھ اتنا بدصورت تھا کہ اس کو دیکھنے کے بعد ہاتھی کو پھریری آگئی۔ مگر اس نے ہمت سے کام لیتے ہوئے مسکرا کر مگرمچھ سے کہا: "السلام علیکم میرے خوب صورت دوست مگرمچھ!"

"وعلیکم السلام، بڑے بڑے کان والے حسین دوست ہاتھی!" مگرمچھ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر وہ پانی سے نکل کر ہاتھی سے مصافحہ کرنے کے لیے کنارے کی ریت پر آگیا۔ دونوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔

"کہو کیسے آنا ہوا؟" مگرمچھ نے ہاتھی سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں دوست، مجھے کچھ تمھارے آنسوؤں کی ضرورت پڑگئی ہے۔" ہاتھی نے درخواست کی۔

"آنسو؟" بھائی، مجھے سخت افسوس ہے کہ میں تم کو اپنے آنسو نہیں دے سکتا، اس لیے کہ میں تو آج تک اداس یا غم گین نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے میرے آنسو نکلتے۔ البتہ گزشتہ ہفتے میں نے غلطی سے ایک بہت عزیز دوست کو کھا لیا تھا جس کے لیے مجھے افسوس ضرور ہوا، مگر یہ سوچ کر خاموش ہوگیا کہ ایک دوست کو کھا لینے میں کیا حرج ہے۔"

"کیا تم اپنے دوستوں کو بھی کھا لیتے ہو؟" ہاتھی نے تعجب سے سوال کیا۔

"نہیں، ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا، لیکن کبھی کبھی غلطی ہوجاتی ہے۔" اور پھر مسکراتے ہوئے بولا، "لیکن تم کیوں ڈر رہے ہو۔ میں اگر کوشش بھی کروں تو تم کو نہیں کھا سکتا۔"

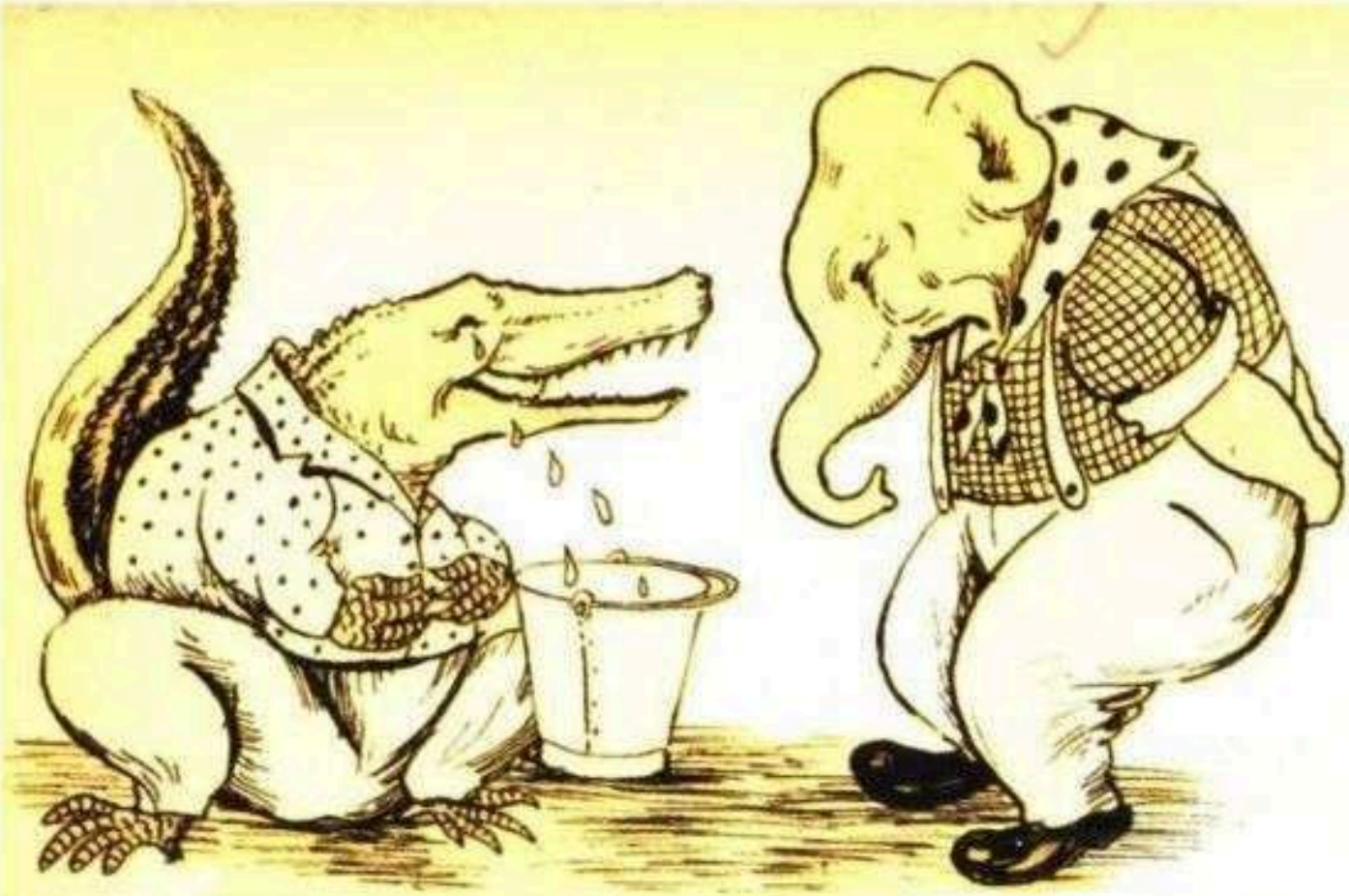

مگرمچھ کی بات سن کر ہاتھی کو غصہ تو بہت آیا۔ بار بار اس کے جی میں آرہا تھا کہ وہ اپنا ایک پیر اٹھا کر اس پر رکھ دے جس سے اس کی ہڈی پسلی برابر ہو جائے، لیکن اپنے دوست شیر کی مصیبت کا خیال آتے ہی خاموش رہا۔ مگرمچھ نے جب ہاتھی کے چہرے کو غصے کی وجہ سے لال دیکھا تو وہ ڈر گیا کہ کہیں ہاتھی اسے ختم نہ کر دے، اس لیے اس نے بات کو مذاق میں ٹالنے کے لیے مسکراتے ہوئے کہا، "ہاتھی میاں، میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا، لیکن مذاق مذاق میں کہیں بُرا نہ مان جانا۔"

"نہیں نہیں بھائی مگرمچھ، میں بھی جانتا ہوں کہ تم بہت مسخرے ہو اور ہر وقت دل لگی کرتے رہتے ہو۔ ہاں مجھے اپنے آنسو تو دو۔" ہاتھی نے کہا۔

"بھائی میں تمھیں اس وجہ سے آنسو نہیں دے سکتا کہ وہ نکلتے ہی نہیں، لیکن یہ بتاؤ کہ تمھیں میرے آنسوؤں کی ضرورت کیا پڑ گئی؟"

ہاتھی نے شیر کے بالوں کے جلنے اور پھر اس کے درخت کے تنے میں منہ چھپا کر بیٹھنے کا قصہ اسے سُنایا۔ قصہ اتنا مزے دار تھا کہ مگرمچھ اس کو سن کر ہنسنے لگا اور پھر اس پر ہنسی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ اپنی ہنسی کو جتنا روکنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی اور آتی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے

آنسو بہنے لگے۔ ہاتھی کے لیے یہ موقع بہت اچھا تھا۔ اس نے فوراً ہی بالٹی لگادی۔ مگرمچھ کی آنکھوں سے اس قدر آنسو نکلے کہ بالٹی بھر جانے کے بعد بھی ریت پر بہتے رہے۔ آخر بہ مشکل اس کی ہنسی تھمی۔ ہاتھی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور آنسوؤں سے بھری ہوئی بالٹی سونڈھ میں لٹکائے ہوئے واپس ہوگیا۔

جب وہ واپس ہوا تو راستے میں اسے رات ہوگئی۔ اس وقت اسے بالٹی لے کر چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا، لیکن بڑی مشکل کے ساتھ وہ راستہ طے کرنے کے بعد اپنے دوستوں میں پہنچ گیا۔

جب وہ اپنے دوستوں میں پہنچا تو سب اسے دیکھ کر تعجب کے ساتھ چلا اٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنا مشکل کام ہاتھی نے کس طرح کرلیا۔ ہاتھی نے شیر سے کہا، "آؤ میرے دوست! بالٹی میں اپنے پنجے بھگو کر تمام سر پر اچھی طرح ملو، کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔"

ہاتھی کے کہنے کے مطابق شیر نے مگرمچھ کے آنسوؤں کو اپنے سر پر ملنا شروع کیا، یہاں تک کہ پوری بالٹی ختم ہوگئی اور پھر وہ قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سب جانور قطار میں بیٹھے ہوئے اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بال فوراً اُگنا شروع ہو جائیں گے۔ ایک منٹ گزر گیا، لیکن کچھ نہیں ہوا۔ پھر دو، تین، پانچ، دس منٹ بھی ہوگئے، لیکن بال نہیں نکلے۔ پھر تو ان جانوروں نے اس کی چندیا کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" ریچھ بولا۔

"ہاں بھائی ہاتھی نے بڑا خطرناک مذاق کیا ہے۔" گیدڑ نے کہا۔

"مگرمچھ کے آنسوؤں سے بھی کہیں بال اُگے ہیں۔" تیندوے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ صاحبان نے اپنی رائے قائم کرنے میں بہت جلدی کی ہے۔ بال نکلنے میں کچھ وقت لگے گا۔" ہاتھی نے سب کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"تمھارا مطلب ہے دو ایک گھنٹے۔" لومڑی بولی۔

"اور یہ وقت دس سال بھی ہو سکتا ہے۔" چرخ نے کہا۔

"دس سال ہی کیوں، تمام عمر بھی ہو سکتی ہے۔ بارا سنگھے نے کہا۔

"آپ لوگ اس قسم کی باتیں بند کریں۔" ہاتھی نے سب سے کہا۔

کچھ دیر کے لیے تو وہ خاموش ہوگئے، لیکن کچھ دیر کے بعد پھر ایسی باتیں شروع کر دیں اور

اسی طرح باتیں کرتے کرتے زیادہ رات ہوجانے کی وجہ سے وہ سب وہیں سوگئے۔

دوسرے دن بہت سویرے چڑیا کی آنکھ سب سے پہلے کھلی۔ اس نے درخت پر بیٹھے بیٹھے دیکھا تو چاروں طرف بالوں کا جنگل پھیلا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگی کہ اوخدا، یہ کیا تماشا ہے۔ ہر طرف بال ہی بال ہیں اور ان بالوں میں سب جانور پھنسے ہوئے ہیں۔

"ارے دوستو، جلدی سے آنکھیں کھولو۔ تم سو رہے ہو، لیکن تمھیں معلوم بھی ہے کہ مگرمچھ کے آنسوؤں نے کیا کیا؟" چڑیا نے چیختے ہوئے کہا۔

چڑیا کی آواز سن کر سب جانوروں نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، لیکن جب انھوں نے دیکھا تو چاروں طرف دور دور تک بالوں کا ایک ایسا گھنا جنگل پھیلا ہوا دکھائی دیا کہ نہ تو زمین نظر آتی تھی اور نہ کوئی دوسری چیز اور وہ خود بھی ان بالوں کے جال میں پھنس کر ایسے بندھے ہوئے تھے کہ نکل نہیں سکتے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے نکلیں۔ ہر جانور اپنی اپنی کہے جارہا تھا۔ دوسرے کی سنتا ہی نہیں تھا۔

"خاموش ہوجاؤ!" یکایک ہاتھی نے چنگھاڑتے ہوئے کہا، "چیخنے چلّانے اور اُچھل کود سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، مجھے کوئی ترکیب سوچنے دو۔"

"ارے ارے تم سب کیا کر رہے ہو؟" شیر نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ "تمھاری اُچھل کود سے میرے بال کھنچ رہے ہیں۔"

"ٹھہرو!" ہاتھی نے کہا۔ "ہمیں اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے فوراً قینچی کی ضرورت ہے۔" اور پھر اس نے چڑیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، "تم جاکر ہماری قوم کے نائی بندر حجام کو بلا کر لاؤ۔"

"ابھی لائی۔" کہتی ہوئی چڑیا فوراً ایک جانب اڑ کر روانہ ہوگئی۔

وہ تیزی کے ساتھ بندر حجام کے پاس پہنچی اور اسے سب باتیں بتائیں۔ بندر حجام چڑیا کی بات سننے کے بعد بولا، "یہ صبح صبح کا وقت ہے۔ مجھے ابھی کچھ جانوروں کی حجامت کرنی ہے۔"

لیکن اس وقت تو تمھیں فوراً میرے ساتھ چلنا ہوگا!" چڑیا نے زور دیتے ہوئے کہا۔

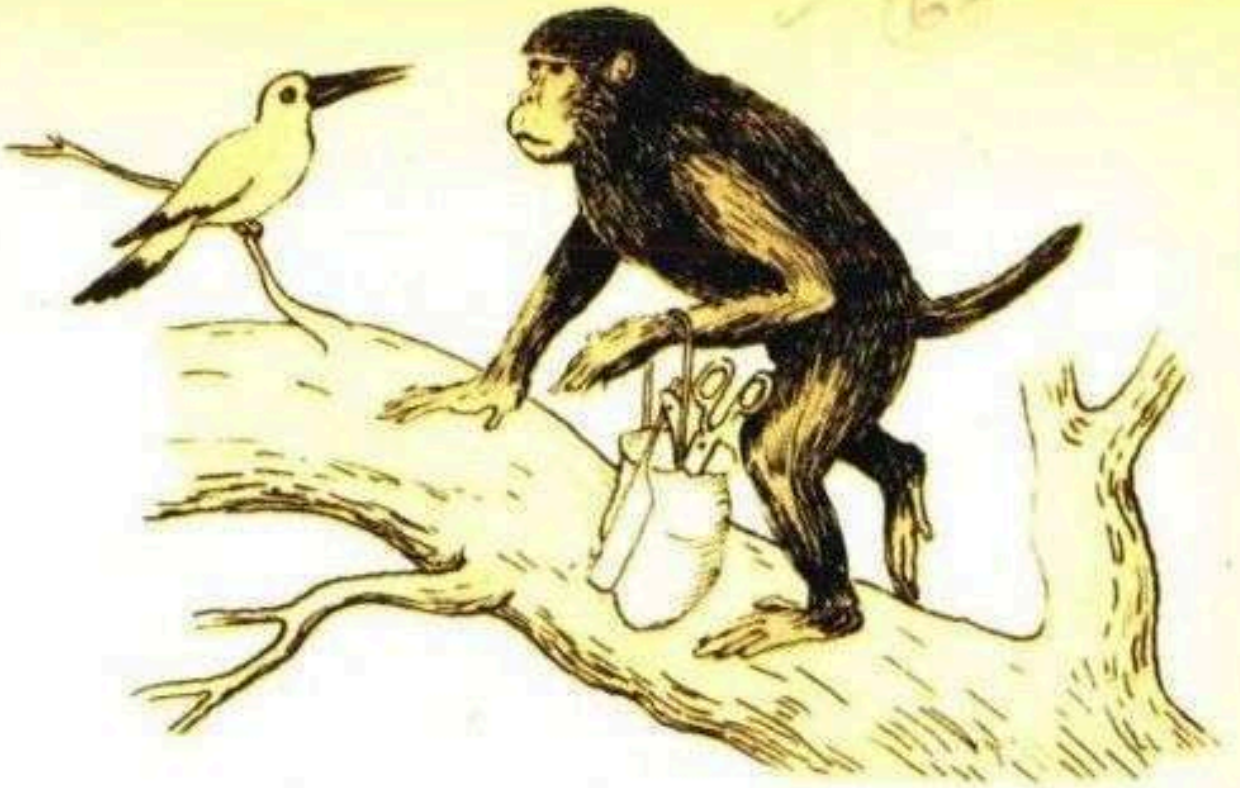

"ہاں میں بھی ایسا ہی سوچ رہا ہوں۔ ایک منٹ ٹھہر جاؤ۔ ابھی چلتا ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد بندر نے ایک تھیلے میں قینچی، استرا، کنگھا وغیرہ رکھا اور پھر ڈالوں ڈال چھلانگیں لگاتا ہوا جانوروں کے پاس پہنچ گیا، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کام کہاں سے شروع کرے۔ اس لیے کہ ایک کی دم کے پاس دوسرے کا منھ تھا۔ کسی کے پیروں میں کسی کی پیٹھ اور کسی کا پیٹ تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے بڑی ہوشیاری سے بالوں کو کاٹنا شروع کیا پھر بھی دو تین جگہ سے ہاتھی کا کان کٹ گیا۔ ہرن کی آدھی دم، بارا سنگھے کی کھال اور لومڑی کا ایک کان بھی کٹ گیا۔ ان کے علاوہ ریچھ، گیدڑ، تیندوا اور گدھا بھی زخمی ہو گئے۔

بندر حجام بہت محنت اور ہوشیاری کے ساتھ کئی گھنٹے تک بال کاٹتا رہا جب جاکر کہیں سب آزاد ہوئے۔

"شیر کے بال چھوٹے کر دو، تاکہ ہم پھر نہ

اُلجھ سکیں۔" سب جانوروں نے کہا۔

" ٹھیک ہے، میرے بال چھوٹے کر دو، لیکن میں اپنی وضع دوسرے شیروں سے الگ رکھنا چاہتا ہوں، اس لیے میرے بال چوکھٹ کٹ بناؤ۔" شیر نے کہا۔

اور پھر بندر حجام نے اس کے بال ایسے چوکھٹ کٹ بنائے کہ جنھیں دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیر کا منھ تصویر کے چوکھٹے میں لگا ہوا ہے۔

ہنسی نہ روکیے

ایک لڑکے کے امتحان میں سوال آیا کہ بتاؤ دنیا کیسے گول ہے؟ لڑکے نے جواب لکھا کہ عینک لگا کر دیکھو تو فٹ بال گول ہے، سورج بھی گول ہے، چاند بھی گول ہے، یعنی کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ گول ہیں۔ ممتحن نے پرچے کو دیکھا اور پرچے کے اوپر لکھا کہ عینک لگا کر دیکھو تو نمبر بھی گول ہے۔

(غلام دستگیر زاہد، کراچی)

ایک آدمی ایک اندھیری گلی سے گزر رہا تھا کہ اُچکّوں نے اسے گھیر لیا۔ اور اس سے پیسے چھیننے کی کوشش کرنے لگے۔ معاملہ ہاتھا پائی تک پہنچ گیا۔ جب اچکّے اس کی تلاشی لینے لگے تو اس کی جیب سے صرف پانچ رُپے نکلے۔ اس پر اچکّوں نے کہا کہ تمھارے پاس صرف پانچ رپے تھے تو پہلے ہی بتا دیتے۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہوا۔ اس آدمی نے کہا، "بھئی میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم مجھ سے وہ دو ہزار رپے چھیننا چاہتے ہو جو میں نے اپنے موزوں میں چھپا رکھے ہیں۔"

(عزیز اللہ شاہوانی، خضدار)

ننھے منّوں کے لیے

نئی، دل چسپ اور رنگین کتابیں

بھادو کا خزانہ
ایک ننھے بھالو نے کس طرح اپنی ذہانت اور دوستوں کی مدد سے اپنے ورثے کا خزانہ لالچی ریچھ سے واپس حاصل کیا۔ 1.50

شریر پنکی
ایک نٹ کھٹ گتے کی کہانی جو ہر روز اپنے پڑوسیوں کی چیزیں لے اُڑتا تھا اور آخر میں اس نے توبہ کر لی۔ 1.50

ننھے میاں
ایک عقل مند کیڑا جو دُنیا کی سیر کو نکلا اور قدم قدم پر خطروں سے جان بچاتا ہُوا واپس گھر پہنچ گیا۔ 1.50

سرکس کا تماشا
دو بہن بھائی سرکس کا تماشا دیکھنا چاہتے تھے مگر ان کے پاس ٹکٹ کے پیسے نہیں تھے۔ آخر وہ ایک ترکیب سے کامیاب ہو گئے۔ 1.50

ہوکا گھوڑا
ایک بہادر گھوڑے کا کارنامہ جس نے اپنی تیز رفتاری سے بھیڑیے کے ایک معصوم بچے کو چالاک لومڑی کے قبضے سے چھڑایا۔ 1.50

بونوں کا خزانہ
ایک جانباز لڑکے کی کہانی جس نے خوف ناک ڈاکوؤں سے مُقابلہ کر کے بچارے بونوں کو ہیروں کی کان واپس دلوائی۔ 2.00

دو دوست
دونوں لڑکے غضب کے شکاری تھے۔ لیکن آپس میں اجنبی تھے۔ جب انھوں نے ایک دُوسرے کو جان لیا تو دوست بن گئے۔ 2.00

جل پری اور مچھیرا
ننھے مچھیرے نے بڑی ہمت سے ایک پیاری سی جل پری کو مُصیبت سے بچایا اور پھر ہنسی خوشی ایک دُوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ 2.00

ننھا سوداگر
احمد ایک ایمان دار سوداگر تھا۔ اس نے جادُو کے قالین سے ایک مظلوم لڑکی کی جان بچائی اور اسے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا۔ 2.00

انسان کا کارنامے
ایک بے حد مُفید اور معلوماتی کتاب جس میں آگ کی دریافت سے لے کر چاند تک پہنچنے کے تمام انسانی کارنامے دل چسپ انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر صفحے پر خوب صُورت تصویر۔ 4.00

فہرست کتب طلب کرنے پر مفت ارسال کی جاتی ہے۔

نیشنل بک سنٹر

لاہور ۔ راولپنڈی ۔ منگلا ۔ پشاور ۔ حیدر آباد ۔ کراچی

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

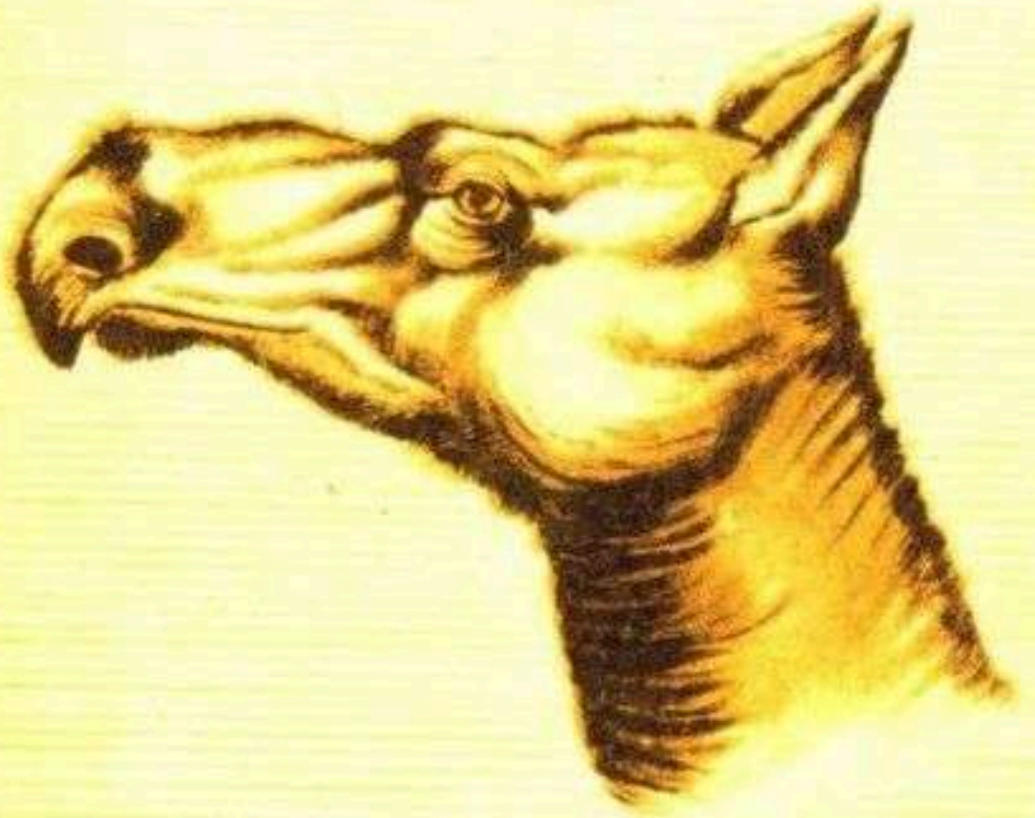

پیارے بچّو! جاگو جگاؤ۔ علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔
علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدّس کام ہے ـــــ حکیم محمد سعید، ہمدرد

س : جب کبھی قبل از تاریخ کے جانوروں کا ذکر آتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانور یورپ، امریکا یا افریقہ میں ہی پائے جاتے تھے۔ کیا ایسے جانور پاکستان میں نہیں ہوا کرتے تھے؟

(اقبال محمود، کراچی)

ج : تاریخ سے پہلے کے جانور اس علاقے میں بھی پائے جاتے تھے جو آج کل ہمارا مغربی پاکستان ہے۔ آج سے چھے کروڑ سال قبل بلوچستان میں ایسا ہی ایک جانور پایا جاتا تھا۔ اس جانور کا نام سائنس دانوں نے بلوچی تھیریم (BALOCHITHERIUM) رکھا ہے۔ یہ جانور زمین سے اپنے کاندھے تک اٹھارا فیٹ اونچا تھا اور وہ جب سر اور گردن اٹھاتا تو تین چار فیٹ اور اونچا ہو جاتا۔ سائنس داں کہتے ہیں کہ زمین پر بسنے والے جتنے بھی دودھ پلانے والے جانور گزرے ہیں، یہ جانور ان سب سے بڑا تھا۔ اس کا سب سے پہلا رکاز (فاسل) ۱۹۲۴ء میں بلوچستان میں پایا گیا۔ انسائیکلوپیڈیا کے سرورق پر اسی بلوچی تھیریم کی تصویر دی گئی ہے۔

س : ہمیں رات کو خواب کیوں نظر آتے ہیں؟

(شاہد حسین صدیقی، کراچی)

ج : خواب ایک ایسا موضوع ہے جس پر اب بھی تحقیقات ہو رہی ہے۔ خواب نظر آنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ رات کو جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارا دماغ پھر بھی کچھ نہ کچھ جاگتا رہتا ہے۔ اس کا تعلق باہر کی چیزوں سے ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہماری آنکھیں بند ہوتی ہیں البتہ دن بھر کے واقعات یا پرانے واقعات ہمارے ذہن میں محفوظ ہوتے ہیں۔ دماغ ایک ایک کر کے ان واقعات کا جائزہ لیتا ہے اور ان کی تصویر ذہن کے پردے پر اُبھرنے لگتی ہے۔ اسی کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم سوتے وقت جس واقعے یا جس چیز کا خیال کرتے ہیں، وہی واقعہ خواب میں نظر آجاتا ہے۔ الغرض خواب کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا ذہن بھولی بسری باتوں کا جائزہ لیتا ہے۔ جب آنکھ کھل جاتی ہے تو یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

س: علمِ کیمیا اور علمِ طبیعیات میں کیا فرق ہے؟

(غضنفر علی نقوی، ٹنڈو محمد خاں)

ج: علمِ کیمیا سے سائنس کی وہ شاخ مراد ہے جو مختلف چیزوں کی خصوصیات، ان کی بناوٹ، ان کے حاصل کرنے کے طریقوں اور مختلف استعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ پُرانے زمانے میں مصریوں اور پھر مسلمانوں نے اس علم کو بڑی ترقی دی۔ جابر ابن حیّان جیسے عظیم مسلمان کیمیادان کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس وقت روزمرہ استعمال کی بے شمار چیزیں مثلاً صابن، تیل، چمڑا، کاغذ، روشنائی، رنگ وغیرہ سب علمِ کیمیا کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس سائنس کی وہ شاخ جس میں توانائی کی مختلف شکلوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، فزکس یا طبیعیات کہلاتی ہے۔ یہ علم کائنات میں ہونے والے واقعات کی وجوہ بیان کرتا ہے۔ توانائی کی مختلف شکلیں میکانی توانائی، حرارت، روشنی، آواز، مقناطیسیت اور بجلی ہیں۔ علمِ طبیعیات میں ان تمام موضوعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

س: کیا پارا صرف تھرمامیٹر میں ہی استعمال کیا جاتا ہے؟

(رانا احمد سعید خاں ساحر، لاہور)

ج: پارا تھرمامیٹر کے علاوہ دواسازی اور بعض دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے حکیم اور ڈاکٹر دونوں پسند کرتے ہیں اور اس سے طرح طرح کے کام لیتے ہیں۔ پارے کے مختلف مرکبات بیماریوں کے علاج میں مستعمل ہیں۔

س: "ارتھ" کیا چیز ہے اور ارتھ سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

(ایک نونہال، کراچی)

ج: ارتھ (EARTH) بمعنی زمین۔ کسی تار یا دھاتی پلیٹ کو زمین میں دفن کرنے یا اس سے کسی طرح جوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ آپ نے ریڈیو اور بعض دوسرے برقی آلات پر 'E' لکھا دیکھا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس آلے کو اس جگہ زمین سے جوڑ دیا

جائے۔ زمین سے کسی آلے کو جوڑ دینے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اگر زیادہ بجلی آجائے تو وہ زمین میں چلی جائے اور آلہ خراب نہ ہونے پائے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہماری زمین بجلی کی بڑی اچھی موصل ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بجلی "ہضم" کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اونچی عمارتوں کی چھت پر ایک سلاخ لگا کر اسے ایک تار یا پتری کے ذریعے نیچے زمین سے جوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ اگر عمارت پر بجلی گرے تو ساری بجلی زمین میں اُتر جائے، عمارت بیچ میں محفوظ رہے۔

س : پہاڑ پر گوشت اور چاول وغیرہ کچے کیوں رہ جاتے ہیں۔ اچھی طرح کیوں نہیں پکتے؟

(ایم عید دخاں، سانگھڑ)

ج : پہاڑ چوں کہ اونچے ہوتے ہیں، اس لیے ان پر ہوائی دباؤ سطح سمندر یا میدانی علاقوں کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ ہم جیسے جیسے زمین سے بلند ہوتے جاتے ہیں، ہوائی دباؤ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ چیزوں کے پکنے کا تعلق حرارت کے علاوہ دباؤ سے بھی ہے۔ اگر دباؤ زیادہ ہو تو چیزیں جلد پک جاتی ہیں۔ پریشر کُکر کا بھی یہی اصول ہے کہ ہم اس میں مصنوعی طور پر دباؤ بڑھا دیتے ہیں اور وہ تیزی سے ہر چیز کو گلا دیتا ہے۔ پہاڑوں پر گوشت اور چاول وغیرہ ذرا دیر سے گلتے ہیں، کیوں کہ وہاں ہوائی دباؤ کم ہوتا ہے۔

س : دوڑتے وقت ہم ہانپنے کیوں لگتے ہیں؟

(نجم الدین فریدی، نواب شاہ)

ج : دوڑتے وقت ہمارا قلب تیزی سے دھڑکتا ہے۔ خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے پھیپھڑوں کا عمل بھی بڑھ جاتا ہے اور ہمیں زیادہ آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے۔ زیادہ آکسیجن حاصل کرنے کے لیے ہمارا منھ خود بخود کھل جاتا ہے اور ہم ہانپنے لگتے ہیں۔
پہاڑوں پر بلندی کی وجہ سے آکسیجن نسبتاً کم ہوتی ہے، اس لیے وہاں تھوڑا سا تیز چلنے سے ہم ہانپنے لگتے ہیں۔

اخبار نونہال

سونے والا درخت

امریکا میں ایک ایسی جھاڑی پائی جاتی ہے جس کے چوڑے پتے ہوتے ہیں، لیکن وہ چھوتے ہی مرجھا جاتے ہیں۔ ان جھاڑیوں کی قطار میں سے اگر کوئی آدمی گزر جائے اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھے تو معلوم ہوگا کہ ساری جھاڑیاں زمین کے برابر ہوگئی ہیں۔ ان جھاڑیوں میں ایک بات عجیب و غریب پائی جاتی ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو سب جھاڑیوں کے پتے اینٹھ جاتے ہیں۔ آس پاس کے لوگ جان جاتے ہیں کہ اب جھاڑیاں سوگئی ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے تو سورج کی کرنیں ان کے پتوں پر پڑتی ہیں اور ان کی اینٹھن جاتی رہتی ہے۔ جب سورج چڑھ جاتا ہے تو پتے پھر سیدھے ہوجاتے ہیں اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اب جھاڑیاں جاگ گئی ہیں۔

(احمر العبران، کراچی)

چوروں کا دشمن ۔ بکس

برطانیہ کی ایک فرم نے ایک بکس تیار کیا ہے جسے گھر میں رکھ کر چوروں سے محفوظ رہا جاسکتا

ہے۔ اس بکس میں ایسے آلات نصب ہیں جو کسی شخص کے داخلے پر باخبر ہو کر شور مچا سکتے ہیں۔ یہ آلات ۸۰ مربع گز کے علاقے کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ فضا کے ارتعاش سے بکس میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے اور گھر والے باخبر ہو جاتے ہیں۔ (معراج ہاشمی، دادو)

آلہ جو طیارے اغوا نہ ہونے دے گا

نیویارک (امریکا) میں جلد ہی ایسے آلات کی فروخت شروع ہو جائے گی جن کے ذریعے طیاروں کو اغوا کرنے کے واقعات نہیں ہوا کریں گے۔ لاس اینجلز کی ایک فرم نے ایسا آلہ تیار کیا ہے۔ یہ آلہ آس پاس کے سامان اور مشتبہ افراد کے بارے میں پوری نشان دہی کرے گا۔ کہ کہاں بم یا اسلحہ چھپا ہوا ہے۔ اس طرح طیاروں کو اغوا کرنے والے مسلح افراد اپنے اقدام سے قبل ہی گرفت میں آسکیں گے۔ اس آلے کی قیمت دو ہزار ڈالر ہوگی۔

(مقبول حسین عالم، نواب شاہ)

نہ کوئی پیدائش نہ موت، نہ شادی

جنوبی فرانس کے ایک چھوٹے دیہات لاگارڈیل کی آبادی صرف ۱۴۰ افراد پر مشتمل ہے۔ اس دیہات میں گزشتہ برس نہ کوئی پیدائش ہوئی نہ موت اور نہ کوئی شادی۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ پورے سال کے دوران اس دیہات کی آبادی میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں آیا۔ (عالم رضا، کراچی)

عظمیٰ امیر (گوشی)

جھنگ صدر

جس نے قرآن پاک صرف چھ سال کی عمر میں پورا پڑھ لیا۔

بہادر ٹیپو سلطان شہید

عنبر چغتائی

ٹیپو وہ شیر دل کہ ہمیں جس پہ ناز ہے
جو سربکف شہید سدا سرفراز ہے

اس سے شکست کھا چکے جب ہٹکر و نظام
کالیکری میں اس نے کیا مختصر قیام

تنہا مقابلے میں تھا ہر اک دبنگ کے
نقشے تھے اس کے سامنے سب فتح و جنگ کے

اندازہ کر رہا تھا ابھی اپنے اوج کا
افسر در آیا خیمے میں اک اس کی فوج کا

فوجی سلام کر کے کہا اس نے شاہ سے
میں سیدھا آ رہا ہوں ابھی خیمہ گاہ سے

گو خاص خیمہ دیتے ہیں ہٹکر کی رانی کو
لیکن غلط سمجھتی ہیں وہ مہربانی کو

کہتی ہیں خاص خیمے میں ہرگز نہ جاؤں گی
میں عام قیدیوں کی طرح دکھ اٹھاؤں گی

رہنے دو عام قید میں جب تک نہ ہو پتا
کیسا سلوک مجھ سے روا رکھا جائے گا

افسر کی بات سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا
اور باوقار چال سے خیموں تک آ گیا

دیکھا، جو خاص خیمے کے باہر نظر پڑی
رانی کھڑی ہوئی ہے پریشان، ننگے سر

رانی نے دیکھتے ہی یہ سلطان سے کہا
کیسا سلوک مجھ سے روا رکھا جائے گا؟

نظریں جھکا کے حضرت ٹیپو نے یہ کہا
کچھ بدسلوکیوں کا ہے اندیشہ مجھ سے کیا؟

حسن یقیں ملے گا تمہیں حسن ظن کے ساتھ
جیسے سلوک کرتا ہے بھائی بہن کے ساتھ

بھائی بہن کو دیکھتا کیوں کر برہنہ سر
یہ اس کی شان سے تھا یقیناً بعید تر

آہستہ اس سے غیرت ایماں نے کچھ کہا
پٹکا کمر سے کھول کے وہ دو قدم بڑھا

تھی بدگماں، یقیں کا قرینہ سکھا دیا
اس کے برہنہ سر پہ دوپٹا اڑھا دیا

ارشاد پھر ہوا کہ تمہیں دی گئی اماں
تم جلد ہو گی اپنے عزیزوں کے درمیاں

صحت مند نونہال

محمد اسلم اور مسرت جبیں، شہداد کوٹ

محمد اسد عطا الٰہی
محمد ابراہیم عطا الٰہی، کراچی

الیاس پاشا　　ایاز پاشا　　روبینہ پاشا

نقصان پہنچانے والے پودے

ڈاکٹر اصغر جلیس

اس سے پہلے ہم آپ کو چند "چور پودوں" کا حال سُنا چکے ہیں۔ ان چور پودوں میں ایک قسم وہ ہے جنھیں ہم ناخواستہ پودے یا ضرر رساں پودے یا انگریزی میں WEEDS کہتے ہیں۔ ناخواستہ پودا اسے کہتے ہیں جو کھیت میں فصل کے علاوہ کھڑا ہو۔ اس لحاظ سے ہر وہ پودا جو فصل کے علاوہ ہے، چاہے وہ کسی دوسری فصل ہی کا کیوں نہ ہو، ناخواستہ پودا سمجھا جائے گا، لیکن عام طور پر ناخواستہ پودے سے مراد

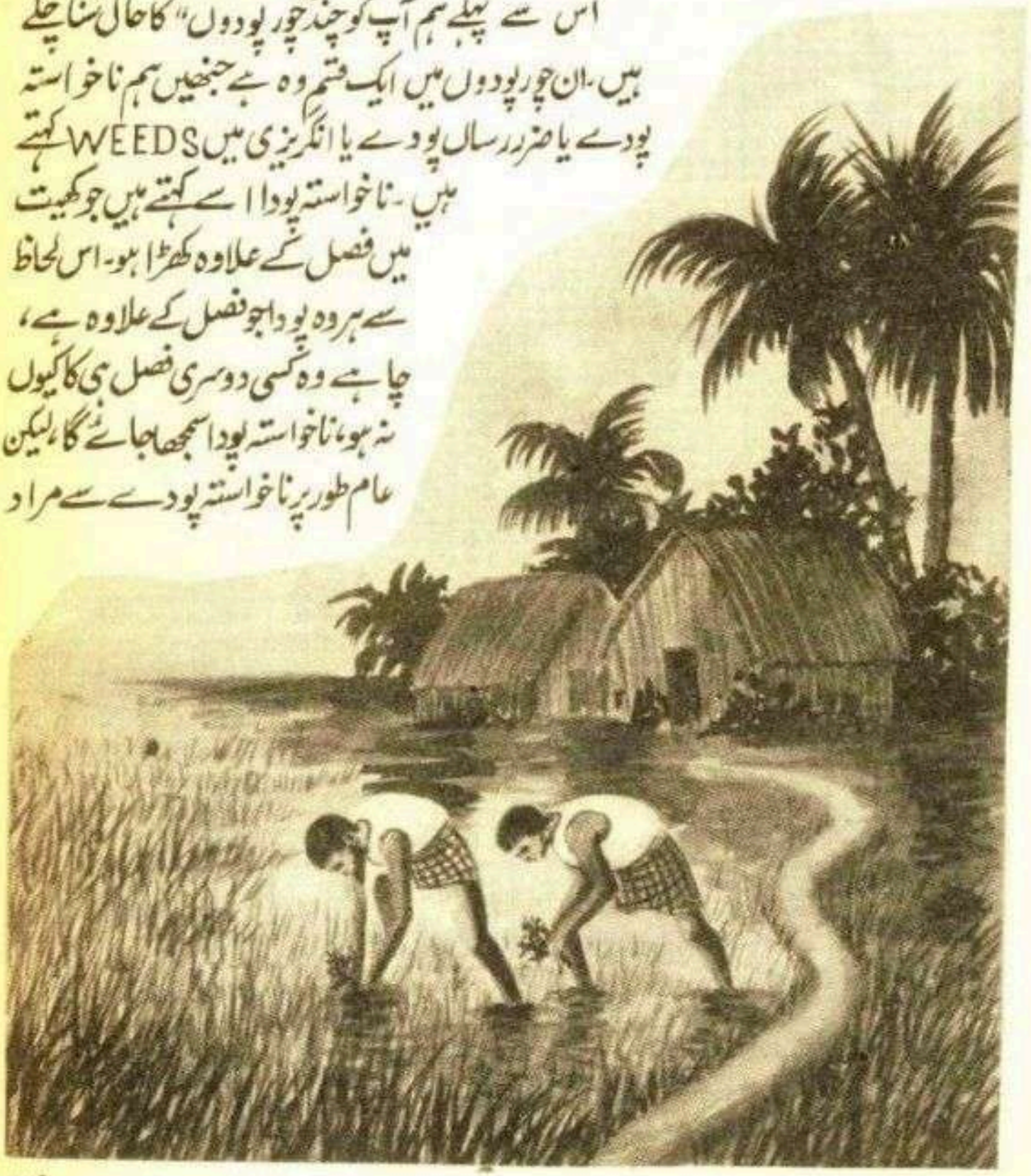

وہ پودا لیا جاتا ہے جو گھاس پھونس کے طور پر کھیت میں پیدا ہو گیا ہو۔

ان ناخواستہ پودوں سے فصل کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں ہم صرف اس نقصان کا اندازہ پیش کریں گے جو دھان کی فصل کو ناخواستہ پودوں سے ہوتا ہے۔ اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ ان پودوں کو ضائع کرنا کتنا ضروری ہے۔

ناخواستہ پودے دھان کی فصل کو مختلف طریقوں سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے تین طریقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں: اوّل، یہ فصل کے پانی میں حصّہ دار بنتے ہیں۔ دوم، اس کی غذا میں شریک رہتے ہیں۔ سوم، جب فصل سے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے پتّے فصل کے پودوں کو سورج کی روشنی سے محروم کر دیتے ہیں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ سورج کی روشنی پودے کے لیے کتنی اہم ہے۔ پودوں میں کلوروفل یا سبز مادّہ ہوتا ہے جس سے وہ سورج کی روشنی میں غذا تیار کرتے ہیں۔ اس غذا کو ہم کھاتے ہیں۔ ایسی غذا کو ہمارے جانور یعنی گائے، بھینس، بکری، بھیڑ اور مرغیاں کھاتی ہیں جن سے ہم دودھ، مکھن، گھی اور انڈے حاصل کرتے ہیں۔ یعنی اگر سبز مادّے والے پودے دنیا میں نہ ہوں تو نہ ہمیں کھانے کو سبزیاں، اناج اور پھل ملیں اور نہ گوشت، مکھن اور دودھ۔

ناخواستہ پودے ہماری فصل کے پودوں کو روشنی سے محروم کر کے انھیں گویا اپنا کام کرنے سے روکتے ہیں اور پیداوار میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

اگر ناخواستہ پودے پانی، کھاد اور روشنی تینوں میں سے کسی ایک کو بھی کم کر دیں تو باقی دو سے بھی فصل کے پودے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مثلاً اگر کسی فصل کو اگانے کے لیے ۱۰" (دس انچ) پانی کی ضرورت ہے، لیکن ناخواستہ پودے اس فصل کا ۴ انچ پانی خود استعمال کر لیتے ہیں تو باقی دو ذرائع، یعنی کھاد اور روشنی سے بھی پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ چاہے ان میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی ہو۔

آپ نے اِرّی پاک چاول کا نام تو ضرور سنا ہو گا۔ میکسی پاک گیہوں کی طرح اِرّی چاول نے بھی ہمارے ملک سے غذائی قلت دور کرنے میں بڑی مدد کی ہے۔ میکسی پاک کو سردیوں میں اگاتے ہیں۔ اِرّی پاک کی فصل خریف یعنی گرمیوں کے موسم میں لگائی جاتی ہے۔ میکسی پاک

کی زیادہ کاشت مغربی پاکستان میں ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں گیہوں بہت کم بویا جاتا ہے۔ لیکن ارّی پاک پاکستان کے دونوں حصّوں میں پیدا کی جاسکتی ہے، بلکہ مشرقی پاکستان میں تو چاول کی تین تین فصلیں ہوجاتی ہیں۔ اس طرح ملک کے دونوں حصّے غذا میں خود کفیل ہونے کی کامیاب کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اب تو یہ امکان پیدا ہوگیا ہے کہ ہم جلد ہی اپنا فالتو گیہوں اور چاول دنیا کی منڈیوں میں بھیجنے لگیں۔

ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ارّی پاک چاول کی وجہ سے ہمیں اپنی غذائی قلّت دور کرنے میں بڑی مدد ملی ہے، لیکن اس کام میں بھی ناخواستہ پودے رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ پوری بات سمجھانے کے لیے آپ کو کچھ تفصیلات بتانی پڑیں گی۔ امید ہے کہ آپ انھیں دل چسپ اور مفید پائیں گے۔

اِرّی پاک چاول فلپائن میں واقع چاول کے بین الاقوامی تحقیقاتی ادارے سے جس کا مخفف انگریزی نام ارّی (IRRI) ہے، آیا ہے۔ اس وجہ سے اس قسم کو ارّی پاک کہتے ہیں۔ چاول کی ارّی اقسام نکالنے میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ پودا چھوٹے قد کا ہو، تاکہ اسے کھاد کی بھاری مقداریں دی جاسکیں اور وہ زمین پر نہ گرے۔ ہماری دیسی قسموں میں یہ خرابی ہے کہ اگر انھیں ایک مقررہ مقدار سے زیادہ کھاد دی جائے تو وہ بھاری ہوکر گر جاتی ہیں۔ ارّی پاک میں اس کمی کو دور کر دیا گیا ہے۔ دوسری بڑی خوبی ان قسموں میں یہ رکھی گئی ہے کہ ان کی پتّیاں اس طرح سیدھی ہوں کہ اوپر کی پتّیاں نچلی پتّیوں پر سایہ نہ ڈالیں اور ان کے غذا بنانے کے عمل میں رکاوٹ نہ پیدا کریں۔

ناخواستہ پودوں کی موجودگی میں ارّی قسموں کی یہ خوبیاں بے کار ہوجاتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ جب کھیت میں یہ پودے موجود ہوں گے تو کسان جو زائد کھاد ارّی پاک سے فائدہ اٹھانے کے لیے ڈالے گا، اس کا بہت سا حصّہ یہ پودے لے جائیں گے، بلکہ جیسے جیسے کھاد کی مقداریں اضافہ ہوتا جائے گا، ان کا حصّہ بھی بڑھتا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ زائد کھاد دینے سے فصل کو اتنا فائدہ نہ ہو جتنا ان بے کار پودوں کو ہوتا ہے۔

زائد کھاد سے فائدہ اٹھا کر یہ بے کار پودے جلد جلد بڑے ہوجائیں گے اور سورج کی روشنی چاول کے پتّوں تک پہنچنے سے روکیں گے۔ اس طرح ارّی پاک کی دوسری خوبی یعنی

پتّوں کا سیدھا پن بھی بے کار ہو کر رہ جانے گی۔ ان پودوں کی موجودگی کی وجہ سے اتنی پاک کے پتّے سورج کی روشنی میں اپنی غذا اچھی طرح تیار نہ کر سکیں گے اور فصل اتنی اچھی نہ ہوگی۔ جتنی ناخواستہ پودے نہ ہونے کی صورت میں ہوتی۔

آپ نے دیکھا کہ یہ پودے کس طرح ہماری دھان کی فصل کو نقصان پہنچاتے اور پیداوار کو کم کر دیتے ہیں۔ ان سے نقصان کا تخمینہ مختلف ملکوں میں لگایا گیا ہے۔ چاول کے بین الاقوامی تحقیقاتی ادارے یعنی 'اِرّی' میں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان پودوں کی موجودگی کی وجہ سے پیداوار میں ۲۴ سے ۴۸ فیصد تک کمی ہو جاتی ہے۔

امریکا میں مختلف ریاستوں میں بھی ان پودوں کی وجہ سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس نقصان کا اندازہ ریاست ارکنساس میں ۴۷ فی صد، مسی سپی میں ۶۴ فی صد، ٹیکساس میں ۴۲ فی صد، کیلی فورنیا میں ۳۶ فی صد اور ریاست لوئی یانا میں ۳۵ فی صد ہے۔ جاپان میں اس کے نقصان کا اندازہ ۲۰ سے ۴۰ فی صد ہے۔

آپ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ دنیا کے بعض علاقوں میں چاول کی کاشت خشکی پر بھی کی جاتی ہے۔ اسی طرح جس طرح ہمارے ہاں گیہوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ جہاں خشک کاشت کی جاتی ہے، وہاں نقصان اور بھی زیادہ ہوتا ہے، یعنی ۷۰ سے ۹۰ فیصد تک۔

اس سے آپ کو کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان پودوں سے دنیا کی چاول کی پیداوار میں کتنی آجاتی ہے۔

ان پودوں کی وجہ سے صرف پیداوار میں ہی کمی نہیں آتی، بلکہ ان کی وجہ سے کھیتی باڑی کے اخراجات بھی بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ایک ملک میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کے کاموں میں جو محنت ہوتی ہے، اس کا ۲۵ سے ۴۰ فی صد حصّہ ان پودوں کو ختم کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ ایک اندازہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی ان پودوں کو ایک ایکڑ سے ختم کرنا چاہے تو اسے ۲۵ سے لے کر ۱۷۵ گھنٹے لگیں گے۔ اگر وہ ان پودوں کو مارنے کا ہل استعمال کرے جسے وہ خود ہاتھ سے چلا جائے گا تو اسے آٹھ تا پچاس گھنٹے درکار ہوں گے۔

اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان پودوں کی وجہ سے چاول کی فصل کو کتنا نقصان

پہنچتا ہے۔ یہ نہ صرف پانی، روشنی اور کھاد چراتے ہیں، بلکہ پیداوار کو بھی سخت نقصان پہنچاتے ہیں اور اخراجات میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ پانی کی نالیاں بھی بند کر دیتے ہیں اور بیماریوں کی ایبوں اور نقصان دہ کیڑوں مکوڑوں کو بھی پناہ دیتے ہیں۔ چاول کی پیداوار بڑھانے کے لیے ان نقصان دہ پودوں کو ختم کرنا ضروری ہے۔

وارسک بند

سید حسن جاوید، کراچی

مغربی پاکستان کو اپنی صنعتی و زراعتی ضروریات کے لیے بجلی اور پانی کی ضرورت ہے۔ وارسک بند جو بجلی اور پانی دونوں کا وسیلہ ہے ۱۹۶۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ بند جو ۲۶۰ فیٹ اونچا ہے، دریائے کابل پر باندھا گیا ہے۔ یہ دریا افغانستان سے پاکستان میں بہتا ہے اور اٹک کے مقام پر دریائے سندھ سے جا ملتا ہے۔ وارسک کے مقام پر دریائے کابل ایک گہری کھائی سے گزرتا ہے۔

قبل اس کے کہ اصلی بند پر کام شروع ہوتا، ایک ۱۷۰۰ فیٹ لمبی سرنگ بنائی گئی اور اس سرنگ کی تکمیل کے بعد دو عارضی بند اصلی بند کی جگہ آگے اور پیچھے بنائے گئے۔ اگست ۱۹۵۷ء کے اوائل میں دریائے کابل کا پانی اصلی بند کی جگہ کے اطراف میں سے گزرنے لگا۔ اب عارضی بند کے درمیان جو پانی بچا، اسے باہر نکال دیا گیا اور زمین کی سطح خشک ہونے کے بعد بند کی بنیاد کھودی گئی۔

اصلی بند کنکریٹ کا بنا ہوا ہے اور اس کے کنارے اور بنیادیں ٹھوس چٹانوں سے جڑی ہوئی ہیں۔ بند کی تعمیر میں پانچ لاکھ ٹن کنکریٹ استعمال ہوئی اور ۴۳۰۰۰۰ ۷ ٹن مٹی اور چٹانوں کو ہٹانا پڑا۔ بند ۶۵۰ فیٹ لمبا ہے اور تہہ میں ۲۱۱ فیٹ موٹا ہے۔ بند کے اوپری حصے پر جو ۴۸ فیٹ چوڑا ہے، ایک سڑک بنائی گئی ہے۔ جیسے ہی بند مکمل ہوا، سرنگ بند ہوگئی اور دریا اپنے راستے پر بہنے لگا۔ دریا کے پانی کی طاقت سے بجلی کے چار جنریٹر چلائے گئے جو ۱۶۰۰۰۰ کلوواٹ بجلی پیدا کرتے ہیں۔ اس بند سے نکالی جانے والی نہروں کی بدولت پشاور ڈسٹرکٹ اور مہمند ایجنسی میں زیر کاشت رقبہ دگنا ہوگیا۔

واحد ذریعہ جس سے آپ کا سرمایہ بڑھتا ہی رہتا ہے

دس فیصد سالانہ
منافع کی ضمانت

آپ اپنے سرمائے کو دُگنا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خرید کر رکھیں۔ اس کے علاوہ آپ اپنی آمدنی پر بھی اِنکم ٹیکس میں خاصی بچت کرتے ہیں۔ ان سرٹیفکٹوں پر حاصل شدہ منافع بھی اِنکم ٹیکس سے بری ہے۔ اپنا مستقبل بھی محفوظ کیجئے اور ملک کی حفاظت میں بھی، دیکھئے۔

انکم ٹیکس میں بچت

سالانہ آمدنی	رقم جو ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ میں لگائی جا سکتی ہے	واجب الادا ٹیکس اگر		سرٹیفکیٹ کی خرید سے ٹیکس میں بچت	ٹیکس میں بچت کے علاوہ منافع اگر آپ ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیں	
		سرٹیفکیٹ نہ خریدیں	سرٹیفکیٹ خریدیں		۵ سال بعد	۱۰ سال بعد
روپے	روپے	روپے	روپے	روپے	روپے	روپے
10,000	4,000	575	75	500	1240	4000
15,000	6,000	1350	275	1075	1860	6000
20,000	8,000	2350	575	1775	2480	8000
25,000	10,000	4000	1150	2850	3100	10000
30,000	12,000	5750	1850	3900	3720	12000
40,000	15,000	10600	4000	6600	4650	15000
50,000	18,000	16500	6600	9900	5580	15000

ٹیکس کا تخمینہ 2000 ہزار روپے پرسنل الاؤنس اور 20 فی صد ارنڈ انکم الاؤنس منہا کرنے کے بعد لگایا گیا ہے۔

ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ

5۔ 10۔ 50۔ 100۔ 500۔ 1000 اور 5,000 روپے کی شرح کے سرٹیفکیٹ تمام بنکوں اور ڈاکخانوں سے دستیاب ہیں۔

محمد زکریا مائل

آنکھوں کے اندھے
نام نین سُکھ

ہندی کی ایک دل چسپ کہاوت ایک مدّت سے سنتے آئے ہیں، یعنی آنکھوں کے اندھے نام نین سُکھ۔" یہ ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جب کسی شخص کا نام تو بہت بھلا سا ہو، مگر کام اس کے برعکس ہوں۔ یعنی اس کے نام اور اوصاف میں کوئی لگاؤ نہ پایا جاتا ہو۔ فارسی کی ایک مثل بھی بہت مشہور ہے اور اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مثل یہ ہے:

برعکس نہند نام زنگی کافور

بے چارا زنگی یا حبشی ہوتا تو ہے بالکل سیاہ، مگر اس کا نام کافور رکھ دیا جاتا ہے۔

لو اب اسی قسم کی ایک کہانی سنو جو ایک تاریخی کہانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا گشتاسپ۔ اتفاق سے اس کو جو وزیر ملا، اس کا نام تھا راست رَوِش۔ راستِ رَوِش کے معنی ہیں سیدھی راہ چلنے والا۔

وزیر یوں بھی قابل اور لائق سمجھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کو اس کے نام سے اور دھوکا ہوا۔ وہ اسے بہت اچھا، نیک اور خداترس سمجھتا تھا اور کبھی کوئی اس کی بُرائی کرتا تو اسے سننے کے لیے تیّار نہ ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ وزیر کا جیسا نام ہے، ویسے ہی اس کے کام بھی اچھے ہوں گے، مگر حقیقتِ حال اس کے برعکس تھی۔

وزیر کے دل میں تو کھوٹ تھا ہی۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ مجھ پر بھروسا کرتا ہے تو اس

سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس نے موقع پاکر بادشاہ کو اُلٹی پٹی پڑھائی اور اس سے کہا:

"جہاں پناہ، رعیت ہمارے عدل و انصاف کی کثرت سے بہت بہک گئی ہے۔ ہم ان سے نرمی سے پیش آتے ہیں تو یہ لوگ اس سے بے جا فائدہ اٹھاتے ہیں اور سرکشی پر اُتر آئے ہیں۔ ان کے طرزِ عمل سے فساد کی بو آنے لگی ہے۔"

بادشاہ نے حیرت سے پوچھا، "کیا واقعی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں اس معاملے پر سختی سے غور کرنا چاہیے۔"

"جی ہاں عالم پناہ، فدوی نے جو کچھ عرض کیا، اس میں بال برابر فرق نہیں۔"

"اچھا تو اب کیا کرنا چاہیے راست روش؟"

"ان کے ساتھ نرمی کی روش بالکل بدل دینی چاہیے۔ انھیں جھڑکنا، بات بات پر سزائیں دینا، جلاوطن کرنا اور ان میں جو لوگ نیک مشہور ہوں، انھیں چُن چُن کر ان سے شدت سے پیش آنا چاہیے۔ بغیر اس طریقے کے یہ لوگ ٹھیک نہ ہوں گے اور ملک کی حالت خراب ہوتی چلی جائے گی۔"

وزیر کی یہ بات بادشاہ کے گلے اُتر گئی اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے رعایا کے ساتھ اپنا برتاؤ بہت سخت کر دیا۔ ملک میں ہر طرف چیخ پکار مچ گئی۔ جسے دیکھو اپنی جگہ غیر محفوظ نظر آنے لگا۔

تھوڑے ہی دنوں کے اندر ایران کے حالات کچھ سے کچھ ہو گئے۔ ایک عجیب طرح کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص بھی بادشاہ کی تنبیہہ کا نشانہ بنتا، وہ اپنی جان اور آبرو بچانے کے لیے وزیر بہادر کا سہارا لیتا اور وہ جان بوجھ کر آنا کانی کرتے تو انھیں رشوت پیش کی جاتی اور وہ کسی نہ کسی حیلے سے خوب رُپیہ وصول کر کے ملزم کو چھوڑ دیتے۔

حالات اتنے خراب ہونے لگے کہ رعایا بہت تنگ آ گئی۔ وزیر کا گھر رشوت سے بھرتا گیا اور خزانے میں خاک اڑنے لگی۔ آخر بات کہاں تک ڈھنکی مُندی رہتی۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ پر یہ بھید کھُل گیا کہ ملک میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے، یہ سب بے ایمان وزیر کے کرتوت کا پھل ہے۔

اب بادشاہ نے خزانوں کی دیکھ بھال کی۔ وہ اتنے خالی ہو گئے تھے کہ جتنا مال بچ رہا تھا

اس کے ذریعے لشکروں کی حالت درست کرنا بہت مشکل تھا۔ یہ محسوس کرکے بادشاہ کا دل بہت دُکھا اور اس نے سوچا کہ اب ذرا رعیت کا حال بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ یہ سوچ کر وہ سوار ہوا۔ کچھ دور چلا ہوگا کہ اسے ایک خیمہ لگا ہوا نظر آیا۔

بادشاہ نے اس خیمے کا رُخ کیا۔ قریب سے دیکھا تو خیمے کے اندر بھیڑیں اور بکریاں سو رہی تھیں اور ایک کُتّے کی لاش سولی سے لٹکی ہوئی تھی۔

ابھی بادشاہ نے کچھ پوچھ گچھ نہ کی تھی کہ خیمے میں سے ایک جوان آدمی باہر آیا۔ اس نے بادشاہ کو سلام کیا اور ادب کے ساتھ کہا، "تشریف لائیں حضور والا، یہاں جب تک چاہیں، آرام فرمائیں۔"

بادشاہ نے اس کی التجا قبول کی اور اتر پڑا۔ جوان نے کھانے پینے کی جو چیزیں حاضر تھیں، پیش کیں اور عرض کیا، "نوش جان فرمائیں حضور والا، بڑی عزت افزائی ہوگی خادم کی۔"

بادشاہ، اچھا، تمھاری تواضع مدارات ہمیں منظور ہے، مگر ایک شرط کے ساتھ۔

"ارشاد ہو حضور والا کیا شرط ہے وہ، بسر و چشم تعمیل ہوگی۔"

بس یہی کہ میں تمھارے خیمے میں کتے کی جو لاش لٹکی ہوئی دیکھ رہا ہوں، اس کا کیا قصہ ہے، جب تک یہ نہ بتاؤ گے، میں تمھارا کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"بات یہ ہے حضور والا،" جوان نے کہا، "میں نے اس کُتّے کو بھیڑ بکریوں کا چوکیدار مقرر کیا تھا۔ تھوڑے دن تو اس کا خیال ٹھیک رہا، اس کے بعد اس نے ایک بھیڑ کی مادہ سے دوستی کرلی اور اس کے ساتھ رہنے لگا۔

مجھے تو اس حال کی خبر نہ تھی۔ بھیڑیے کی مادہ اپنا داؤں لگاتی رہتی تھی۔ روز آتی اور جاتے وقت ایک بھیڑ یا بکری منھ میں دبائے جنگل کا راستہ لیتی۔

اتفاق سے ایک دن مجھے بکریوں کی دیکھ بھال کا خیال آیا تو میں نے دیکھا کہ ان کی تعداد بہت گھٹ گئی ہے۔ میں نے گھات لگا کر حقیقت معلوم کرنا چاہی تو یہ تماشا دیکھا کہ بھیڑ کی مادہ نے چپکے سے ایک بکری کا ٹیٹوا دبایا اور اسے لے کر چلتی بنی۔ محافظ کتا سب کچھ دیکھتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ اس وقت مجھے پورا یقین آگیا کہ میں نے جس کتّے پر اتنا بھروسا کر رکھا تھا، اسی نے دھوکا دیا۔ اسی کی چوری سے بکریوں کی تعداد اتنی کم ہوگئی ہے۔

میں نے فوراً کتے کو گھیر کر مار ڈالا اور سولی پر چڑھا دیا، تاکہ دوسروں کو نصیحت ہو۔"

"بہت خوب، تم نے بہت اچھا کیا جوان جو تم نے دغا باز کتے کو سزا دے دی۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے اس کی دسترخوان پر لائی ہوئی چیزیں بہت رغبت سے کھائیں اور پھر اس سے رخصت ہو کر اپنے محل کی راہ لی۔

جب خدا کی طرف سے کسی کی ہدایت ہونے والی ہوتی ہے تو اسی طرح کا کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

بادشاہ جب واپس ہو رہا تھا اس کے دل میں یہ خیال بسا ہوا تھا کہ ہماری رعیت، ہمارا گلہ ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی دیکھ بھال سے غافل نہ ہوں۔ محل تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے دل میں یہ رائے قائم کر چکا تھا کہ ملک میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، وہ اسی بدبخت وزیر کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ واقعی صرف نام اچھا ہونے سے کبھی یہ رائے قائم نہ کرنی چاہیے کہ اس شخص کے گن بھی اچھے ہوں گے۔

دوسرے ہی دن وزیر صاحب کو ان کے کیے کی سزا مل گئی۔ پہلے تو انھیں خوب کوڑے مارے گئے اور اس کے بعد سولی پر لٹکا دیا گیا۔

ایجنٹ صاحبان سے

ہمدرد نونہال کے بعض ایجنٹ صاحبان اپنے آرڈر یا رسالے کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع مہینے کے آخر میں دیتے ہیں۔ ہمارا دفتر رسالہ بھیجنے کی تیاری دس تاریخ سے شروع کر دیتا ہے اور اندراجات کر لیتا ہے۔ اس لیے مہینے کے آخر میں کسی تبدیلی کی اطلاع ملنے پر تعمیل میں دقت ہوتی ہے اور غلطی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک اور بیرونِ ملک بھی سینکڑوں ایجنٹ صاحبان ہمدرد نونہال فروخت کرتے ہیں اور دفتر کو ان کے پاس رسالہ بھیجنا ہوتا ہے اس لیے دفتر کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ایجنٹ صاحبان سے درخواست ہے کہ ہر مہینے کی دس تاریخ تک آئندہ مہینے کے رسالے کے لیے اپنی فرمائش بھجوا دیا کریں۔ مثلاً اپریل کے رسالے کی فرمائشیں دس مارچ تک بھجوا دی جائیں۔ اس طرح دفتر کو اور خود ان کو بھی سہولت ہوگی۔

ایک غریب عورت تھی۔ ایک اس کا شوہر تھا۔ یہ شخص پھیری لگا لگا کر سودا بیچتا اور اس سوداگری میں جو نفع ہوتا، اس سے بیوی بچّوں کی گزر بسر کا سامان کرتا۔ اس کام کے لیے اسے دیہات جانا پڑتا اور وہیں چل پھر کر یہ اپنا کام چلاتا تھا۔

یہ آدمی ایک دن شہر گیا۔ چوں کہ جاڑا کا موسم آ پہنچا تھا، اس لیے اس نے بانات کی چالیس ٹوپیاں خریدیں جن کی اس زمانے میں بڑی مانگ تھی۔ اس کام کے لیے اس کے پاس جتنا رُپیہ پیسہ تھا، سب اس نے صرف کر دیا۔

ایک دن اس نے سفر کی تیاری میں گزارا۔ دوسرے دن پھیری والے کی بیوی نے چالیسوں ٹوپیاں ایک گٹھری میں باندھ کر شوہر کے حوالے کیں۔ انھیں ساتھ لیے ہوئے اس نے گاؤں کا راستہ لیا، تاکہ وہاں پہنچ کر چلتی پھرتی دکان داری کرے۔

جو راستہ درمیان میں پڑتا تھا، وہ ایک جنگل سے ہو کر گزرتا تھا۔ جب جنگل کے اندر پہنچا تو اسے بڑی تھکن معلوم ہو رہی تھی۔ یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ تھوڑی دیر ایک درخت کے نیچے آرام کر لے۔ اس کے بعد تر و تازہ ہو کر پھر سفر شروع کرے۔ لیٹتے ہی آنکھیں بوجھل معلوم ہونے لگیں۔ سردی سے بچنے کے خیال سے اس نے ایک ٹوپی پہن لی اور سو گیا۔

ایک بندر ایک درخت پر بیٹھا یہ واقعہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر بانات کی ٹوپی پر پڑی۔ چپکے

سے درخت سے اُترا اور اس شخص کے قریب پہنچ کر اس نے گٹھری میں سے ایک ٹوپی نکالی اور اپنے سر پر رکھ کر جنگل کے دوسرے حصّے کے بندروں کے غول میں جا پہنچا۔ یہ حرکت بندروں کے لیے ہنسی دل لگی کا سامان بن گئی۔ سب ہنسے اور چیں چیں کرنے لگے اور اپنی اپنی جگہ سے اُتر کر ٹوپی والے بندر کے پیچھے ہو لیے۔ گٹھری کے پاس گئے تو سب نے ایک ایک بانا تی ٹوپی گٹھری سے نکالی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ بندروں کی اس چڑھائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ گٹھری میں ایک ٹوپی بھی باقی نہ رہی۔

اس کے بعد بندر اچھلتے، اودھم مچاتے قریب کے درختوں پر چڑھ گئے اور خوش ہو ہو کر شور وغل سے جنگل کو سر پر اٹھا لیا۔

بے چارا پھیری والا گھبرا کر اٹھا اور گٹھری اٹھانے اور چلنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ساری ٹوپیاں ہوا ہو چکی ہیں۔ بہت جھلایا، مگر اب اس کے بنائے کیا بنتا، صبر سے کام لیا۔ بندروں کے شور وغل پر دھیان کیا تو یہ تماشا دیکھا کہ بندر جو درختوں پر بیٹھے تھے، اوپر نیچے برابر دوڑے جا رہے ہیں۔ یا تو سخت غصّے میں تھا اور بندروں پر خار کھا رہا تھا یا ان کی یہ حرکتیں دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا۔ جس بندر کو بھی دیکھا سر پر ٹوپی پہنے ہوئے پایا۔ پہلے تو پھیری والے نے بہت کچھ شور مچایا اور ان پر ڈھیلے پھینکے، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ٹوپیاں بندروں کے سروں پر ہی دھری رہیں اور وہ برابر ہنستے اور اُچھلتے کودتے رہے۔

جب سب تدبیریں کر کے مایوس ہو گیا تو بوجھل دل کے ساتھ گھر کی راہ لینے کی ٹھانی۔ چند قدم بڑھا ہو گا کہ اسے خیال آیا ہیں بھی تو ایک ٹوپی پہنے ہوئے ہوں۔ یوں ہی غصّے میں اس نے وہ ٹوپی سر سے اتار دی اور زور سے ایک طرف پھینک دی۔ پھیری والے کی یہ حرکت اس کے لیے نعمت بن گئی۔ جیسے ہی بندروں نے اسے ٹوپی پھینکتے دیکھا، فوراً اس کی نقل کرنے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی ٹوپی سر سے اُتاری اور اسی طرف پھینک دی جس طرف پھیری والے نے پھینکی تھی۔

بندروں کی اس حرکت سے پھیری والے کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس کی منھ مانگی مراد بر آئی۔ تیزی سے اٹھا اور سب ٹوپیاں ادھر ادھر سے جمع کر کے اپنے گھر پہنچا۔ وہاں اس کے دوستوں اور پڑوسیوں نے یہ مزے دار قصّہ سُنا تو مدّتوں ان میں اس کا چرچا رہا۔ جب کبھی اس واقعے کا خیال آتا تو بے ساختہ ہنسی آجاتی۔

چڑیا نے راز کھول دیا

غازی کمال

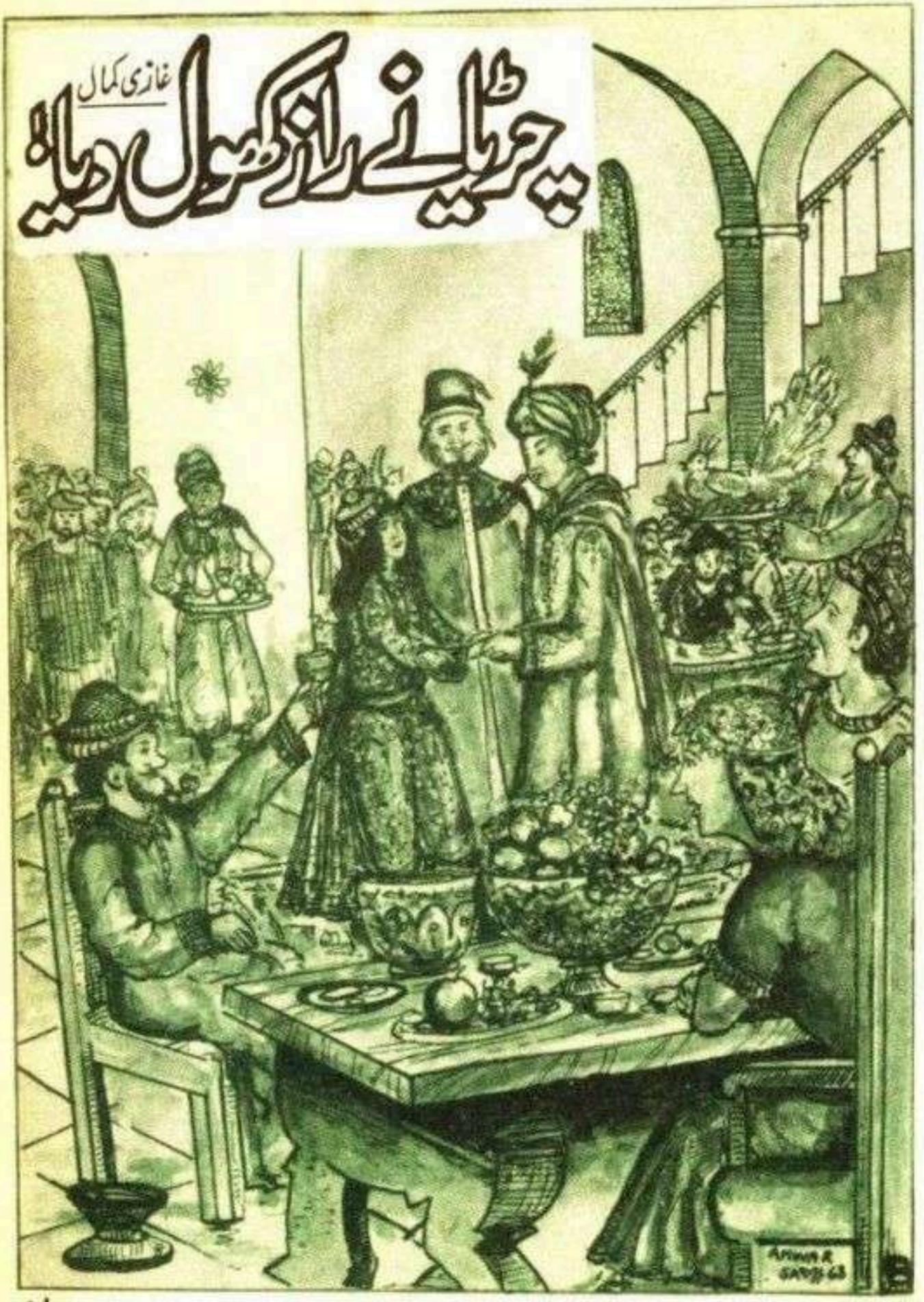

"کتنی مہذب لڑکیاں ہیں یہ۔" شہنشاہ نے دل میں کہا۔ شہنشاہ بہت کم عمر اور بہت خوب صورت تھا۔ اس نے اپنی رعایا کا بہت زیادہ خیال کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر شخص کی مشکلات دور کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر روز بھیس بدل کر اپنے محل سے نکل جاتا اور لوگوں کے اندرونی حالات معلوم کرتا۔ اس مرتبہ وہ اپنے محل سے نکل کر ایک کچے مکان کے قریب کھڑا تھا اور چاہتا تھا کہ اس مکان کے اندرونی حالات معلوم کرے۔ اس مکان میں تین بہنیں رہتی تھیں۔ وہ آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ شہنشاہ ان کی باتوں کو غور سے سننے لگا۔

"اگر میری خواہش پوچھی جائے تو میں شہنشاہ کے باورچی سے شادی کرنا پسند کروں گی۔ اس طرح میں عمدہ عمدہ کھانے کھا سکوں گی۔" بڑی لڑکی نے کہا۔

مجھے تو کیک پیسٹریاں بہت پسند ہیں۔ انھیں حاصل کرنے کے لیے مجھے تو شہنشاہ کے خاص کیک پیسٹریاں بنانے والے سے شادی کرنی پڑے گی۔" منجھلی لڑکی نے کہا۔ چھوٹی لڑکی جو بہت زیادہ خوب صورت تھی جب اس سے بہنوں نے خواہش دریافت کی تو اس نے کہا، "میری خواہش تو یہ ہے کہ میں ملکہ بنوں۔"

شہنشاہ کو ان کی یہ خواہشیں سن کر بے حد تعجب ہوا۔

"میں ان کی خواہشیں پوری کروں گا۔" اس نے دل میں ارادہ کر لیا اور محل چلا آیا۔

دوسرے دن شہنشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا کہ ان بہنوں کو دربار میں حاضر کرے۔ جب لڑکیاں دربار میں حاضر ہوئیں تو وہ بے حد پریشان تھیں۔ وہ گھبرا رہی تھیں کہ معلوم نہیں بادشاہ انھیں کیا سزا دے گا۔ ان کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے اور صورت فق ہو گئی تھی۔ بادشاہ نے تینوں کو غور سے دیکھا اور کہا، "لڑکیو! مجھے تمھاری خواہشیں معلوم ہو گئی ہیں۔"

"خواہشیں!" تینوں لڑکیوں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں خواہشیں!" شہنشاہ نے بڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "تم یہاں آؤ۔ تمھاری خواہش ہے کہ تم کیک پیسٹریاں بنانے والے سے شادی کرو تو تمھاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔"

"نوازش ہے جہاں پناہ!" منجھلی لڑکی نے جھک کر سلام کیا۔

"اچھا، اب تم یہاں آؤ۔" بادشاہ نے بڑی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا، "تمھاری یہ خواہش

ہے کہ تمھاری شادی میرے باورچی سے ہو تو میں تمھاری یہ خواہش پوری کر دیتا ہوں۔"

عنایت ہے جہاں پناہ۔" اس نے بھی جھک کر سلام کیا

"اچھا، تم میرے پاس آؤ۔ اس نے چھوٹی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا، "تمھاری خواہش ہے کہ میں تم سے شادی کروں تو میں تمھاری یہ خواہش پوری کرتا ہوں۔"

"یہ بڑی مہربانی ہے آپ کی۔" اس نے بھی جھک کر آداب عرض کیا۔

شہنشاہ نے بڑی دھوم دھام سے ان تینوں لڑکیوں کی شادی کی۔ اس تقریب میں ملک کے بچے بچے کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ شہر کے درختوں اور سڑکوں پر چراغاں کیا گیا تھا۔ تینوں بہنیں ایک چھوٹے سے مکان سے نکل کر شہنشاہ کے محل میں آگئی تھیں۔ وہاں انھیں ضرورت کی ہر چیز حاصل تھی، چناں چہ دن خوشی سے گزرتے رہے اور پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ دونوں بہنیں اپنی چھوٹی بہن سے جلنے لگیں، کیوں کہ شہنشاہ اسے بہت چاہتا تھا۔

کچھ ہی عرصے میں ملکہ کے ایک خوب صورت لڑکا پیدا ہوا۔ دونوں بہنیں جلتی تو تھیں ہی چناں چہ انھوں نے اس لڑکے کو چھپا کر اس کی جگہ ایک بدصورت کتے کے پلے کو رکھ دیا۔

"کم بخت کیسا بچہ پیدا ہوا ہے۔" شہنشاہ نے برہم ہو کر کہا، "اسے ندی میں بہا دو۔"

"بجا فرمایا آپ نے۔" دونوں بہنوں نے کہا، "ہم ایسا ہی کریں گے۔" چناں چہ دونوں بڑی بہنوں نے اس پلے کو تو زہر دے کر مار دیا اور خوب صورت ننھے شہزادے کو ایک شہتیر میں باندھ کر ندی میں بہا دیا۔ محل کے کچھ فاصلے پر ایک بہت ہی وسیع باغ تھا۔ اس باغ میں طرح طرح کے پھل پھول اور عجیب و غریب جانور وغیرہ رکھے گئے تھے۔ اس باغ کا مالک ایک عقلمند باغ بان تھا۔ اس باغ میں ایک خوب صورت مکان بھی بنا ہوا تھا۔ جس ندی میں شہزادے کو بہایا گیا تھا، وہ ندی اسی باغ میں سے گزرتی تھی۔ باغ بان ندی کے کنارے کھڑا ہوا مچھلیوں کو دیکھ رہا تھا کہ اس نے شہتیر پر کسی چیز کو بندھا ہوا دیکھا۔ شہتیر پانی پر تیرتا ہوا بہہ رہا تھا۔ باغ بان نے ندی میں اتر کر شہتیر کو پکڑ لیا۔ جب ساحل پر لا کر اس نے کپڑا کھول کر دیکھا تو اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس میں ایک خوب صورت بچہ بندھا ہوا ہے۔ اس نے فوراً ہی اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ باغ بان اس بچے کو اپنی بیوی کے پاس لایا۔ بیوی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے نہلا دھلا کر اسے عمدہ کپڑے پہنائے اور

Junaid Ahmed

اپنے بچّے کی طرح پالنے لگی۔

دوسرے سال جب ملکہ کے بچّہ پیدا ہوا تو دونوں بہنوں نے حسد کے مارے اس بچّے کو بھی چھپا کر اس کی جگہ ایک بدصورت بلّی کے بچّے کو رکھ دیا۔ بلّی کا بچّہ نہایت بدصورت تھا۔ شہنشاہ جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ بلّی کے بچّے کو دیکھ کر ملکہ پر بہت برہم ہوا۔

"میں اس ملکہ کو مار دینا چاہتا ہوں۔" اس نے وزیر سے کہا۔

جہاں پناہ، اس میں ملکہ کا کیا قصور ہے؟ یہ تو خدا کی مرضی تھی۔ میرے خیال میں حضور کچھ دن اور انتظار فرمائیں۔" وزیر نے کہا۔

"اچھا، تمھارے کہنے سے میں ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اگر آیندہ بھی ایسا ہی ہوا تو میں اسے سولی پر چڑھا دوں گا۔" شہنشاہ نے کہا۔

اس مرتبہ بھی دونوں بہنوں نے بلّی کے بچّے کو زہر دے کر مار دیا اور شہزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر شہتیر پر باندھ دیا اور اسے بھی ندی میں بہا دیا۔ شہتیر بہتا ہوا باغ میں سے گزر رہا تھا کہ باغ بان نے پھر اسے دیکھ لیا اور اسے ندی کے کنارے لا کر دیکھا۔ اس میں بھی اس نے ایک خوب صورت بچّے کو پایا۔ باغ بان نے اسے پیار کیا اور اپنی بیوی کے پاس لے جا کر کہا، یہ لو خوب صورت بچّہ۔ خدا نے یہ بچّہ بھی ہمیں عطا کیا۔"

بیوی نے گود میں لیتے ہوئے کہا، "بڑا خوب صورت بچّہ ہے یہ۔" دونوں خوشی خوشی اس بچّے کو پالنے لگے۔ انھوں نے پہلے بچّے کا نام بہمن اور دوسرے کا پروِیز رکھا۔

تیسرا سال جب ختم ہوا تو ملکہ کے ایک خوب صورت بچّی پیدا ہوئی۔ دونوں بہنیں اس بچّی کو دیکھ کر جل گئیں۔ انھوں نے اس بچّی کو ہٹا کر اس کی جگہ ایک سور کے بچّے کو رکھ دیا۔ شہنشاہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا، اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا، "فوراً ہی اس نالائق ملکہ کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ یہ اپنی عادت سے باز نہیں آئے گی۔"

"جہاں پناہ، اگر جاں بخشی ہو تو عرض کروں۔" وزیر نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

"عرض کرو!" شہنشاہ نے کہا۔

"میرے خیال میں اگر ملکہ کو مارنے کے بجائے قید میں رکھ کر سزائیں دیں تو بہتر ہے۔ اس طرح وہ اپنے گناہوں کی پوری سزا پائے گی۔" وزیر نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" شہنشاہ نے کہا، چناں چہ ملکہ کو قید میں ڈال دیا گیا، جہاں اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

باغ بان نے پہلے کی طرح پھر ندی سے شہتیر کو نکال کر دیکھا۔ اس مرتبہ اسے ایک خوب صورت بچی ملی۔ اس بچی کی ناک لانبی، ہونٹ پتلے، آنکھیں نیلی، بال سنہری اور رنگ گورا تھا۔ یہ لڑکی بہت زیادہ خوب صورت تھی۔ اس لیے اس کا نام پری زادی رکھا گیا تھا۔ باغ بان اور اس کی بیوی بہت سمجھ دار تھے۔ انھوں نے دونوں لڑکوں اور لڑکی کو خوب پڑھایا۔ لڑکوں کو شکار سکھایا۔ دونوں لڑکے جب بڑے ہوئے تو بہت اچھے شکاری نکلے۔

باغ بان اور اس کی بیوی کی طبیعت کافی عرصے سے خراب رہنے لگی تھی، چناں چہ کچھ ہی عرصے میں میاں بیوی دونوں اس دنیا سے چل بسے۔ انھوں نے تینوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ انھیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ان کے ماں باپ وہ نہیں ہیں۔ تینوں بچے انھیں اپنے ماں باپ ہی سمجھتے تھے۔

ایک دن سخت گرمی تھی۔ پری زادی نے اپنی کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے ایک بڑھیا نظر آئی جو لکڑی ٹیک ٹیک کر چل رہی تھی۔ اس کی کمر جھک گئی تھی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ گرمی کی وجہ سے وہ ہانپ بھی رہی تھی۔

"بڑی بی! کہاں جا رہی ہو؟" پری زادی نے پوچھا۔

"بیٹی، مجھے بہت دور جانا ہے۔" بڑھیا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں آ کر تھوڑی دیر آرام کر لو تو بہتر ہے۔ تمھاری تھکن دور ہو جائے گی، پھر تم اطمینان سے چلی جانا۔" پری زادی نے کہا۔

"بیٹی، تو ٹھیک کہتی ہے۔" بڑھیا یہ کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ پری زادی ایک دوسرے کمرے سے پلیٹ میں کچھ پھل لائی۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس میں ٹھنڈا دودھ تھا۔ بڑھیا نے ہاتھ بڑھا کر پھل اور دودھ کا گلاس لیا۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر پھل کھائے۔ پھل کھانے کے دوران پری زادی اسے پنکھا جھلتی رہی۔ جب بڑھیا کی تھکن ختم ہوئی تو وہ جانے کے لیے اٹھی۔

"ابھی تھوڑی دیر اور ٹھہریے۔" پری زادی نے کہا۔

"بیٹی، تو نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" بڑھیا نے کہا۔

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ یہ ساری چیزیں خدا کی ہیں جس کی قسمت میں ہوتا ہے، وہ انھیں کھا لیتا ہے۔" پری زادی نے کہا۔

"بیٹی تو بڑی نیک ہے۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ پہاڑی کی چوٹی پر جو خزانہ ہے، جس کے لیے سینکڑوں آدمی مر مٹے، تجھے مل جائے تو اچھا ہے۔" بڑھیا نے کہا۔

"وہ کون سا خزانہ؟" پری زادی نے پوچھا۔

"وہ خزانہ ہے بولتی چڑیا، گاتا درخت اور سنہری پانی کا۔" بڑھیا نے کہا۔

"یہ چیزیں تو مجھے بے حد پسند ہیں۔ پری زادی نے کہا۔

"یہ چیزیں تجھے پسند ہیں تو سن۔ میں تجھے پتا بتاتی ہوں۔ بڑھیا نے کہا۔ یہ کچی سڑک جو جاتی ہے نا تیرے باغ سے اسی پہاڑی کی طرف جاتی ہے۔ جب تجھے گھوڑے پر اس باغ سے سفر کرتے ہوئے بیس دن گزر جائیں تو راستے میں تجھے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ اس سے پوچھ لینا، وہ تجھے پورا پتا بتا دے گا۔"

"اچھا، یہاں سے آیندہ کب گزر ہوگا آپ کا؟" پری زادی نے پوچھا۔

"بیٹی، مجھے خود معلوم نہیں کہ میں یہاں سے کب گزروں گی۔" بڑھیا نے کہا۔

"میں اس خزانے کو ضرور حاصل کروں گی۔ پری زادی نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور حاصل کر بیٹی، اچھا اب میں جاتی ہوں۔ خدا حافظ۔" بڑھیا نے کہا۔

"اچھا، خدا حافظ۔" پری زادی نے رخصت کیا۔

شام کو جب پرویز اور بہن گھر آئے تو پری زادی نے انھیں سارا قصہ سنایا۔ دونوں بھائیوں نے تفصیل سے پورا قصہ سنا۔

"بھائی جان، میں تو اس خزانے کو حاصل کر کے رہوں گی۔" پری زادی نے بڑے بھائی سے کہا۔

"ہاں ہاں، ضرور حاصل کرنا۔" دونوں بھائیوں نے کہا۔

"تو پھر اسی وقت چلیے اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے۔" پری زادی نے کہا۔

"پگلی، شام کو جائیں گے تو کوئی جنگلی درندہ پھاڑ کھائے گا۔" پرویز نے کہا۔

"اس خزانے کی تلاش کے لیے ہم خود نکل پڑیں گے، مگر تم ہمارے ساتھ نہ جانا، ہم تمھیں

خزانہ لاکر دیں گے۔" بہن نے پری زادی سے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" پری زادی نے کہا۔

دوسرے دن صبح سویرے جب تینوں نے ناشتہ کر لیا تو پرویز نے اپنا گھوڑا کسا اور اس پر بیٹھ کر خزانے کی تلاش کے لیے نکل پڑا۔ دونوں بہن بھائی نے اسے رخصت کیا۔ پرویز تیز گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس پہاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ بیس دن گھوڑے پر سفر کر چکا تو اسے ایک سڑک کے کنارے ایک درخت کے سائے میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مٹی کا برتن تھا۔ اس کی سفید داڑھی اتنی لمبی تھی کہ زمین تک پہنچ رہی تھی۔ وہ اس قدر بوڑھا تھا کہ اس کی پلکیں تک سفید ہو چکی تھیں۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہ زمین کی طرف دیکھ بھی رہا تھا۔

"بڑے میاں تسلیم!" پرویز نے سلام کیا۔

"جیتے رہو۔ کیا ہے بیٹا؟" بوڑھے شخص نے پوچھا۔

"مجھے بولتی چڑیا، گاتا درخت اور سنہری پانی کا خزانہ بتا دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔" پرویز نے کہا۔

"تم نادان لڑکے ہو۔ تمھیں معلوم بھی ہے کہ یہ خزانہ بڑی پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ جو شخص اس پہاڑی پر گیا پھر وہاں سے کبھی نہ لوٹا۔" بڑے میاں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں نے اپنی بہن سے وعدہ کیا ہے اور اسے پورا کرنا میرا فرض ہے۔ میں تو ضرور جاؤں گا چاہے اس میں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔" پرویز نے کہا۔

بیٹے، میرا دل تو نہیں چاہتا کہ تم اس پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ، مگر تم ضد کرتے ہو تو جاؤ۔ یہ برتن اپنے ساتھ رکھ لو۔ جب تمھارا گھوڑا پہاڑی کے قریب پہنچے تو تم اس برتن کو نیچے پھینک دینا۔ یہ لڑھکتا ہوا ایک پہاڑی کے نیچے ٹھیر جائے گا۔ تم اس پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دینا۔ اس پہاڑی پر بہت سے سیاہ پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ان پتھروں میں سے مختلف آوازیں نکلیں گی، مگر تم ان آوازوں سے بالکل خوف نہ کھانا اور نہ پیچھے پلٹ کر دیکھنا۔ اگر تم نے پیچھے پلٹ کر دیکھ لیا تو تم بھی سیاہ پتھر میں تبدیل ہو جاؤ گے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ!" پرویز نے برتن لیتے ہوئے کہا۔

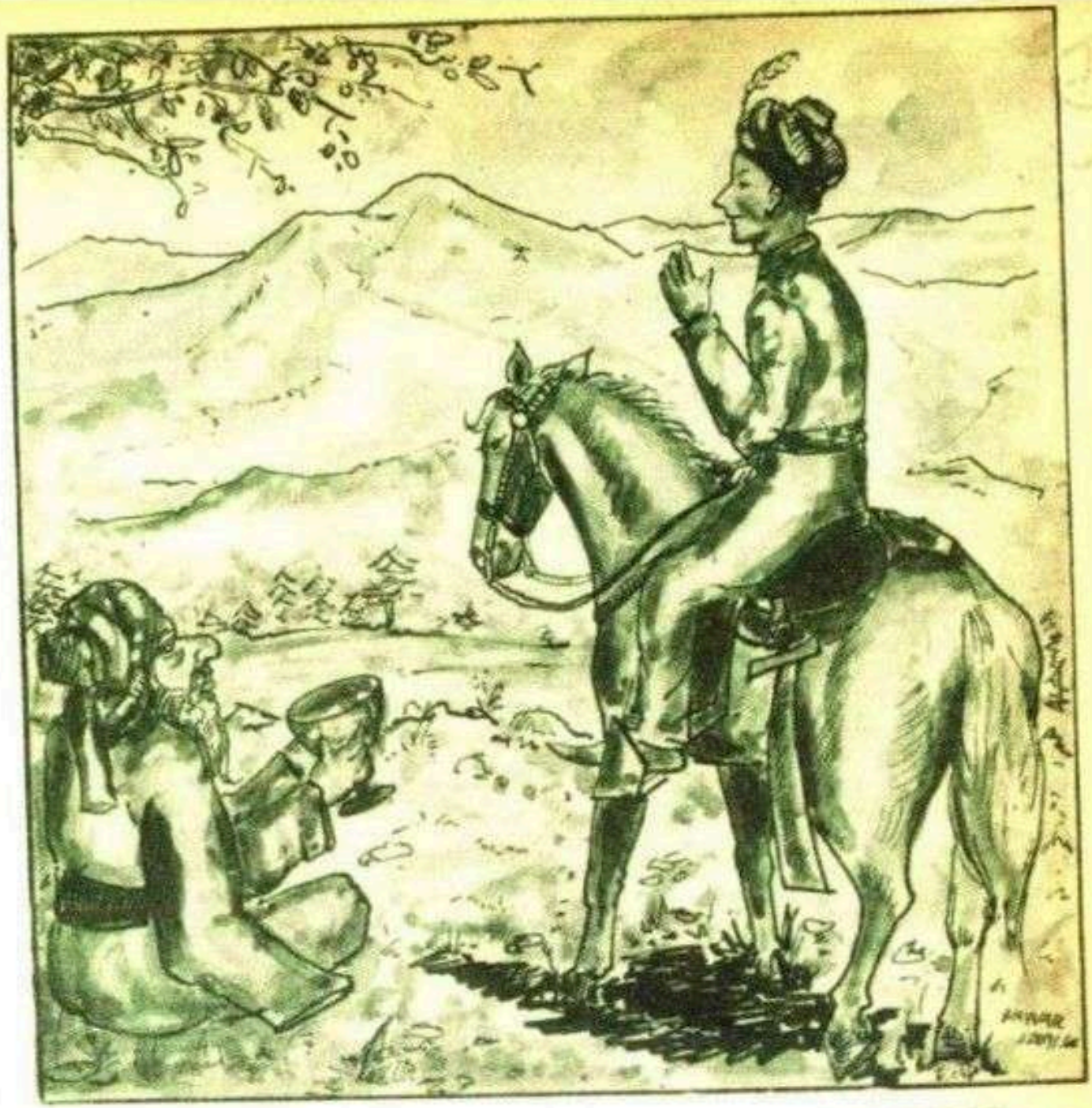

"اچھا بیٹا، خدا حافظ، میں تمھارے لیے دعا کرتا رہوں گا۔" بوڑھے شخص نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ۔" پرویز نے گھوڑا دوڑاتے ہوئے کہا۔

پرویز جب پہاڑی کے قریب پہنچ گیا تو اس نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا۔ اور جس پہاڑی کے سرے پر برتن ٹھیر گیا تھا، اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھنا شروع کیا۔ پہاڑی پر جگہ جگہ سیاہ پتھر پڑے ہوئے تھے۔ "آگے مت بڑھو۔ ادھر تو دیکھو۔ گھبراؤ مت۔ پلٹ کر دیکھو۔" یہ آوازیں سیاہ پتھروں میں سے نکل رہی تھیں۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے

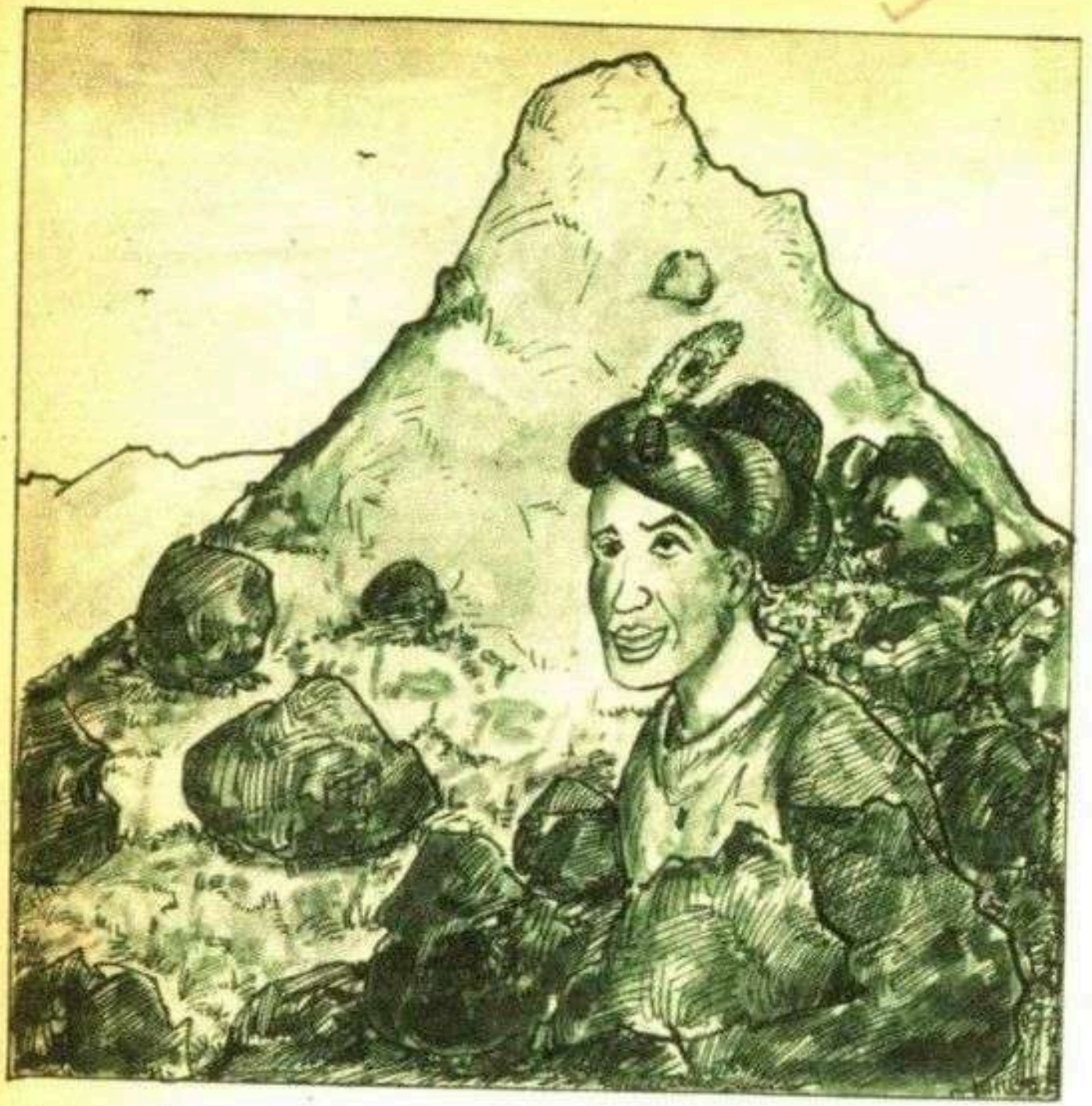

ویسے آوازیں تیز ہو رہی تھیں، "پلٹ کر دیکھ!" ایک تیز آواز جو آئی تو پرویز کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ جیسے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا، اس کے پیر پتھر کے ہو گئے اور پھر وہ سارے کا سارا پتھر کا ہو گیا۔ اس پہاڑی پر یہ عجیب بات تھی کہ جو شخص پتھر کا بن جاتا تھا، اس کی شکل بھی تبدیل ہو جاتی تھی، تاکہ لوگوں کو پتا نہ چلے کہ اس سے پہلے کبھی لوگ یہاں آئے تھے۔

کئی دن گزر گئے، مگر پرویز گھر نہ آیا۔ بہن کو فکر ہوئی کہ پرویز ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ اب اس خزانے اور اپنے بھائی کو حاصل کرنے کے لیے اسے جانا چاہیے۔ پری زادی کی اب بھی یہی خواہش تھی کہ اُسے بولتی چڑیا، گاتا درخت اور سنہری پانی کا خزانہ مل جائے۔

صبح ہوئی تو بہن ناشتہ کر کے گھوڑے پر سوار ہوا اور پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیس دن سفر کرنے پر اسے بھی وہی بوڑھا شخص ملا۔ اس نے بہن کو بہت روکا کہ وہ نہ جائے، مگر بہن پہاڑی کی چوٹی پر جانے کے لیے تُلا ہوا تھا۔ بوڑھے شخص نے اسے بھی ایک برتن دیا اور مختلف باتیں بتائیں۔ بہن نے اس سے برتن لے لیا اور پہاڑی کی طرف روانہ ہوا۔

کئی دن گزر گئے۔ پری زادی نے بہن کا بہت انتظار کیا، مگر وہ گھر واپس نہ لوٹا۔ وہ بہت پریشان ہو گئی، چناں چہ ایک دن وہ صبح سویرے اٹھی۔ ناشتہ کر کے گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ ہوئی۔ بیس دن سفر کرنے پر اسے پھر وہی بوڑھا شخص ملا۔

"آداب عرض ہے بابا۔" پری زادی نے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی، عمر بڑی ہو۔" بوڑھے شخص نے گردن اٹھا کر کہا، "کیسے آنا ہوا بیٹی؟"

"میں بولتی چڑیا، گاتا درخت اور سنہری فوارہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" پری زادی نے کہا۔

"تو مت جا بیٹی، وہاں جو جاتا ہے، سیاہ پتھر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔" بوڑھے شخص نے کہا

"لیکن میں تو اس خزانے کو حاصل کر کے رہوں گی۔" پری زادی نے کہا۔ "کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اسے ہم کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں؟"

لیکن میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ تو بھی وہاں جا کر پتھر کی بن جائے، مگر تو نہیں مانتی تو کم از کم مجھ سے چند نصیحت کی باتیں سن کر اس پر عمل کر اور اس طرح وہاں سے زندہ لوٹ آ۔" بوڑھے نے کہا۔

"ہاں تو مجھے بتا دیجیے وہ نصیحت کی باتیں۔" پری زادی نے کہا۔

"بیٹی، یہ مٹی کا برتن لے۔ جب تو ان پہاڑیوں کے قریب پہنچے گی تو اس برتن کو زمین پر پھینک دینا۔ یہ پتھر اس پہاڑی پر رُک جائے گا، جہاں بولتا درخت، گاتی چڑیا اور سنہری فوارہ ہو گا۔" بوڑھے نے کہا، "ہاں بیٹی، ایک اور بات سُن لے، جب تو اس پہاڑی پر چڑھے گی تو اس پہاڑی کے سیاہ پتھر چیخیں گے، چلائیں گے، مگر تو بالکل نہ گھبرانا اور پلٹ کر بھی نہ دیکھنا۔ اگر تو نے پلٹ کر دیکھ لیا تو فوراً ہی تو سیاہ پتھر کی بن جائے گی۔"

"اچھا، میں آپ کی نصیحتوں پر عمل کروں گی۔" پری زادی نے کہا۔

"اچھا، خدا حافظ بیٹی!" بوڑھے نے اسے رخصت کیا۔

خدا حافظ کہہ کر پری زادی وہاں سے نکل پڑی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کا گھوڑا تیز ہواؤں

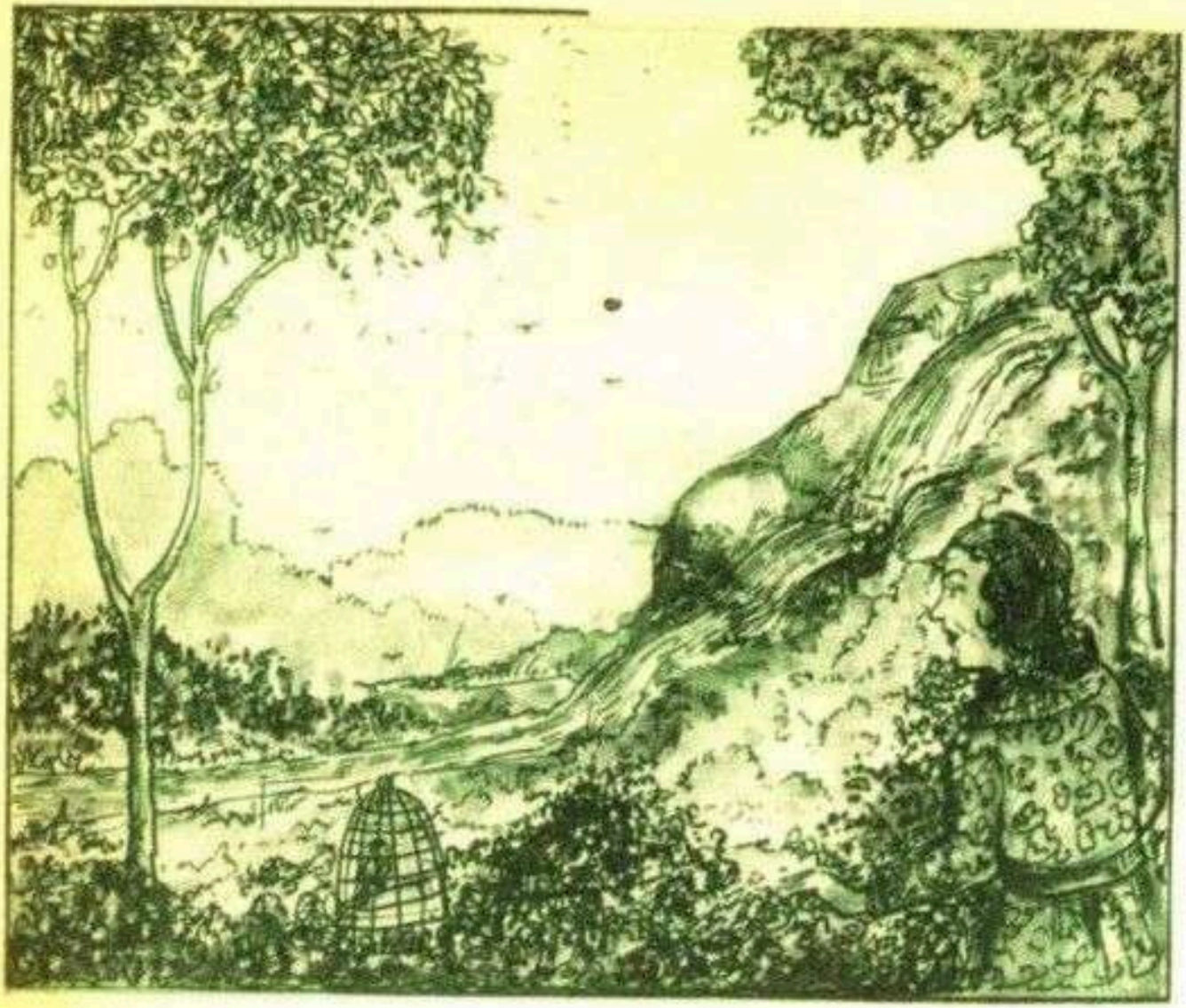

سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بڑے بڑے میدانوں اور کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان پہاڑیوں پر پہنچ گئی۔ اس نے بوڑھے شخص کے دیے ہوئے برتن کو زمین پر پھینکا۔ برتن لڑھکتا ہوا ایک پہاڑی کے نیچے رُک گیا۔ پری زادی گھوڑے پر سے اُتر کر اس پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ اس پہاڑی کی ڈھلوان پر کئی مختلف سائز کے سیاہ پتھر رکھے ہوئے تھے۔

"رُک جاؤ۔ کدھر جا رہی ہو۔ پلٹ کر دیکھو!" ان پتھروں میں سے آوازیں آنے لگیں، مگر پری زادی نے ان کی کوئی پروا نہ کی۔ وہ مسلسل پہاڑی پر چڑھتی ہی رہی۔ پہاڑی بہت اونچی تھی بڑی مشکل سے آخر وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ ہی گئی۔ پہاڑی پر اس نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کے نیچے سنہری پانی کی ندی بہہ رہی ہے۔ اس درخت پر بے شمار پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک پنجرا رکھا ہوا تھا۔ اس پنجرے پر بولتی چڑیا بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیوں سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی۔ پری زادی کو اس نے جیسے ہی دیکھا تو وہ کہنے لگی، "میں

تمھاری کنیز ہوں۔ مجھ سے جو کام کروانا ہو، کروالو۔" پری زادی نے سنہری ندی کو نہ دیکھا تھا۔ اس نے پوچھا، "پیاری چڑیا، یہ تو بتا کہ گاتا درخت اور سنہری فوارہ کہاں ہے؟"

"دیکھو پری زادی، ہم اس ندی کے سنہری پانی سے سنہرا فوارہ بنا سکتے ہیں اور اس کے کنارے ہی گھنا درخت اگا ہوا ہے۔ یہ گاتا درخت ہے۔ اس درخت میں مختلف قسم کی دھنیں سنائی دیتی ہیں۔" بولتی چڑیا نے کہا۔

"تو ہم اسے اپنے ہاں کیسے لے جائیں؟" پری زادی نے پوچھا۔

"ایک برتن میں سنہری پانی کو بھر لو اور اس گاتے درخت کی ایک ننھی سی شاخ کاٹ کر رکھ لو۔ مجھے تو تم اس پنجرے میں لے جا سکتی ہو۔ جب تم گھر پہنچ جاؤ تو اس ننھی شاخ کو زمین میں بو دینا۔ یہ بہت بڑا درخت بن جائے گی۔ اور جہاں تمھیں سنہری فوارہ بنانا ہو، وہاں تم تھوڑا سا پانی گرا دینا۔ یہ ایک بہت بڑا اُبلتا ہوا سنہری فوارہ بن جائے گا اور اگر وہاں ان سیاہ پتھروں پر ایک ایک قطرہ پانی گرا تی جاؤ تو یہ پھر انسان کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔" چناں چہ پری زادی نے گاتے درخت کی ننھی سی شاخ توڑ لی۔ ایک مرتبان میں سنہرا پانی بھر لیا اور پنجرے میں چڑیا کو بند کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب وہ اس پہاڑی پر سے اترنے لگی تو ایک ایک قطرہ سنہری پانی سیاہ پتھروں پر ڈالتی گئی۔ ہر پتھر انسان بنتا گیا اور پری زادی کو بہت بہت دُعائیں دیں۔ اس طرح پری زادی کے دونوں بھائی پرویز اور بہن بھی انسان کی شکل میں آ گئے۔ نیچے آ کر تینوں اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے۔ پری زادی نے بولتی چڑیا کا پنجرا، پرویز نے گاتے درخت کی ننھی سی شاخ اور بہن نے سنہری پانی کا مرتبان پکڑ رکھا تھا۔ بیس دن تک جب وہ سفر کر چکے تو وہ گھر پہنچے۔ انھیں تھکن بہت زیادہ تھی۔

ایک دن شہنشاہ کو شکار کھیلنے کی سوجھی۔ شہنشاہ بڑے ساز و سامان سے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں اس نے ایک بندوق کندھے پر رکھی اور تنہا جنگل میں شکار کھیلنے نکل گیا۔ اس سے شکار بالکل نہ ہو رہا تھا، کیوں کہ وہ شکار سے بالکل ناواقف تھا۔ اسی دن بہن اور پرویز بھی شکار کھیلنے اسی جنگل میں پہنچ گئے۔ وہ ننھے منے پرندوں اور جانوروں کا بآسانی شکار کر رہے تھے۔ شہنشاہ نے دونوں کا نام پوچھا اور اپنے محل میں انھیں دعوت دی۔ پرویز اور بہن شہنشاہ کے محل گئے۔ وہاں ان کی کافی خاطر مدارات کی گئی۔ جب رخصت ہونے لگے تو پرویز اور بہن دونوں نے

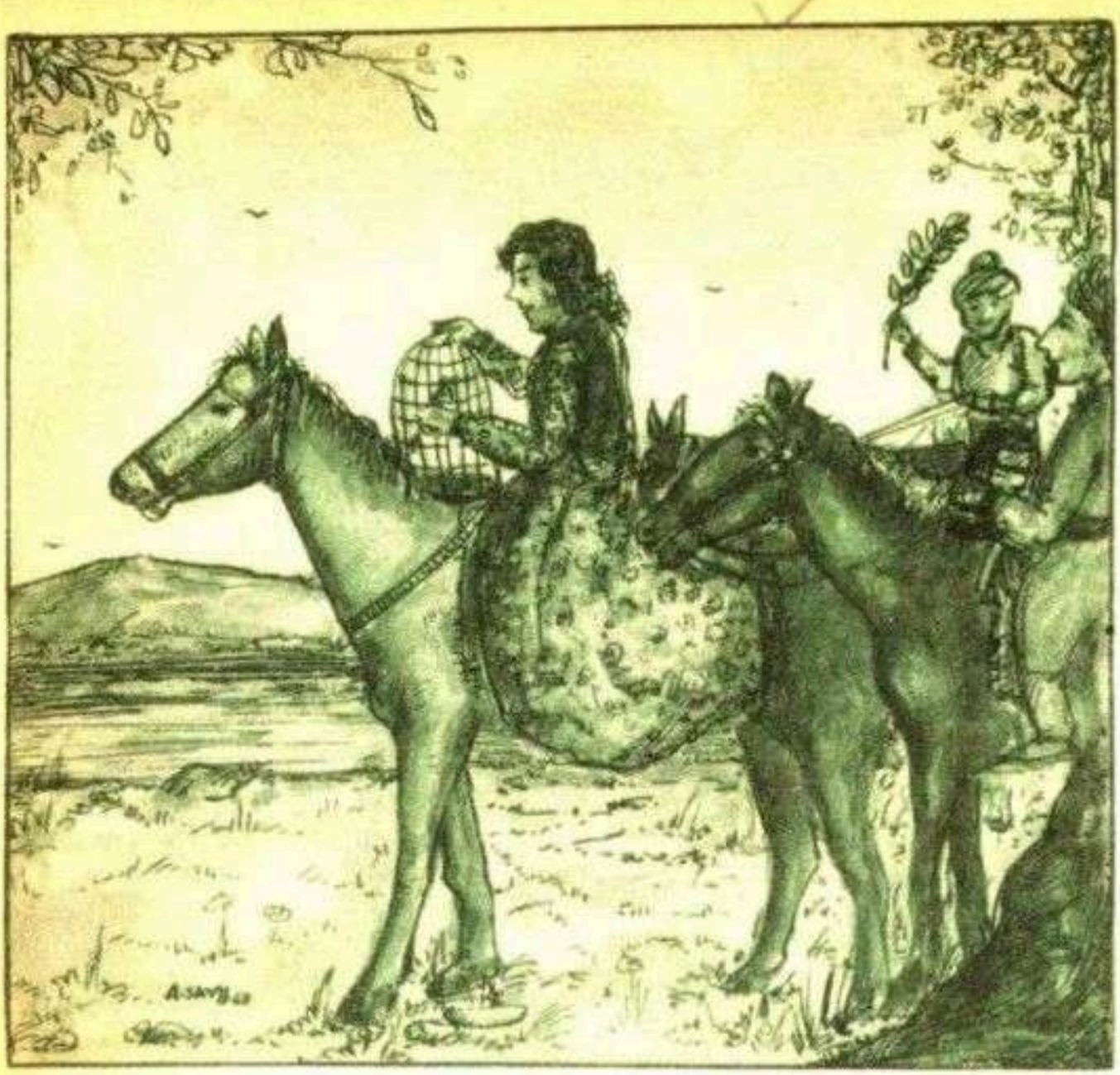

شہنشاہ سے درخواست کی کہ وہ بھی ان کے غریب خانے پر آئے۔ شہنشاہ نے کہا کہ وہ ضرور ان کے ہاں آئے گا۔

پرویز، بہمن اور پری زادی نے شہنشاہ کے آنے سے پہلے باغ کو خوب سجایا۔ درختوں پر قمقمے لگائے گئے۔ ان کا گھر بے حد خوب صورت بنایا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے گھر کے سامنے گاتا درخت اگا دیا تھا۔ یہ درخت بہت ہی تھوڑی مدت میں گھنا تناور درخت ہو گیا تھا۔ اس درخت میں سُریلی دھنیں بجتی تھیں۔ اس درخت کے قریب ہی کچھ سنہری پانی کے قطروں کو گرا کر سنہری فوارہ بنایا گیا تھا اور ایک سونے کے پنجرے میں بولتی چڑیا کو بند کر کے درخت میں لٹکا دیا گیا تھا۔ پری زادی نے باورچیوں کو بلا کر عمدہ عمدہ کھانے پکوائے۔ وہ عمدہ لباس پہنے ہوئی تھی اور بڑی خوب صورت لگ رہی تھی۔ جیسے ہی شہنشاہ ان کے باغ میں داخل ہوا تو تینوں نے آگے

بڑھ کر شہنشاہ کا استقبال کیا۔ شہنشاہ تینوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور وہ شہنشاہ سے بڑے ادب سے ملے۔

کھانے کے بعد جب سارے گھر کے افراد اور شہنشاہ گاتے درخت کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو اچانک بولتی چڑیا نے بولنا شروع کیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ان بچوں کے والدین کون ہیں؟" بولتی چڑیا نے پوچھا۔

پیاری ننھی چڑیا، مجھے کیا معلوم کہ ان کے ماں باپ کون ہیں؟" شہنشاہ نے کہا۔

"یہ آپ ہی کی اولاد ہیں۔" چڑیا نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" شہنشاہ نے پوچھا۔

"آپ نے تین بہنوں میں سے ایک بہن سے شادی کی ہے اور دو بہنیں آپ ہی کے محل میں رہتی ہیں۔" چڑیا نے کہنا شروع کیا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔" شہنشاہ نے حیرت سے کہا۔

"جیسے جیسے آپ ملکہ کو چاہنے لگے، دونوں بہنیں ملکہ سے جلنے لگیں۔ جب ملکہ کے لڑکا ہوا تو انھوں نے اس لڑکے کو ایک شہتیر میں باندھ کر ندی میں بہا دیا اور شہزادے کی جگہ ایک کتے کے پلے کو رکھ دیا۔ اتفاق سے جب شہتیر تیرتا ہوا باغ میں سے گزر رہا تھا تو اس باغ بان کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ ندی میں اتر کر اس کو لے آیا۔ اس طرح اس نے اسے اپنے بچے کی طرح پالا۔ یہ لڑکا بہمن ہے۔ دوسرے لڑکے پرویز اور پری زادی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا، مگر خدا ان تینوں کو زندہ رکھنا چاہتا تھا، اس لیے باغ بان نے ان تینوں کو ندی میں بہتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پرویز اور پری زادی کو بھی اس نے اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اس باغ بان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جب بچے بڑے ہو گئے تو باغ بان اور اس کی بیوی بیماری کے سبب اس دنیا سے چل بسے۔" بولتی چڑیا نے تفصیل سے بتایا۔

شہنشاہ کو یہ داستان سن کر بہت غصہ آیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں بہنوں کو مروا ڈالے گا۔ اس نے حکم دیا کہ ملکہ کو عمدہ ہیروں سے جڑے ہوئے کپڑے پہنا کر حاضر کرے۔ شہنشاہ نے بڑھ کر تینوں بچوں کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ جب ملکہ کو معلوم ہوا کہ یہ اسی کے بچے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئی۔ پھر سب لوگ شہنشاہ کے محل میں آ گئے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ہمدرد نونہال۔ جون ۱۹۷۰ء

شمسی اصفہانی

علی ناصر زیدی

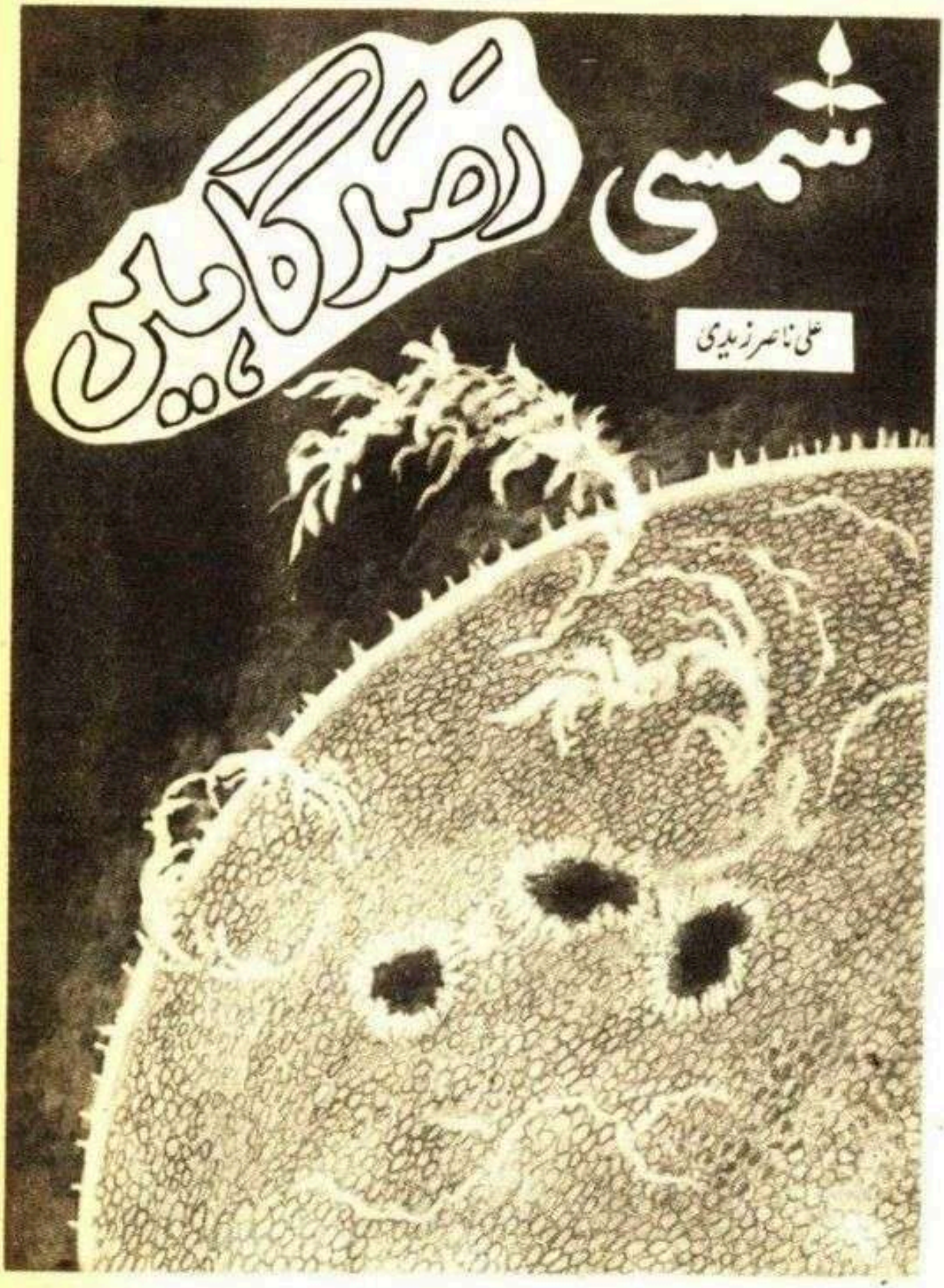

چاند فتح ہوگیا۔ انسان وہاں دو بار جاکر آرام اور خیریت کے ساتھ زمین پر واپس بھی آگیا، لیکن اس تاریخی تجربے سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ چاند پر ہوا کا وہ غلاف موجود نہیں جو ہمیں زمین پر بہت سی تکالیف اور آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہم ہوا میں صرف سانس ہی نہیں لیتے، بلکہ وہ ہمیں سورج سے آنے والی خطرناک شعاعوں سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ ہم جیسے جیسے زمین سے بلند ہوتے ہیں، ہوا کی کثافت تیزی سے کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے پہاڑوں کی ہوا زمین کے میدانی علاقوں کے مقابلے میں لطیف تر ہوتی ہے۔ یعنی پہاڑوں پر دھوپ زیادہ تیز ہوتی ہے۔ وہاں بالائے بنفشی شعاعوں کی شدت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

اب سائنس داں یہ سوچ رہے ہیں کہ انسان کو چاند پر ان خطرناک شعاعوں سے کیسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ جب تک قمری سیاح اپنے خلائی جہاز کے اندر رہے، وہ ان شعاعوں سے محفوظ رہے، لیکن جب اس سے نکل کر چاند کی کھلی سطح پر آئے تو خطرے میں گھر گئے۔ پریشر سوٹ میں مصنوعی دباؤ اور آکسیجن کا انتظام تو رکھا جاتا ہے، لیکن سورج کی خطرناک شعاعوں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس موضوع پر تحقیقات ہو رہی ہیں، لیکن یہ تحقیقات اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتیں جب تک ہم سورج کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں کرلیتے۔

رصدگاہوں کی اہمیت

سورج پر تحقیقات کرنے کے لیے دنیا کے کئی ملکوں میں ایسی رصدگاہیں قائم ہیں جو صرف زمین کے اس قریب ترین ستارے کو دیکھنے، اس کی تصویریں لینے، اس سے آنے والی شعاعوں کا اندازہ لگانے اور زمین کے مواصلاتی نظام پر اس کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے وقف ہیں۔

اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے میں زمین کا غلاف بڑی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ دوسرے سورج ہم سے دور بھی بہت ہے۔ پورے نو کروڑ تیس لاکھ میل۔ اگر کسی طرح قریب سے سورج کا مشاہدہ کیا جاسکتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے امریکی سائنس دانوں نے مارچ ۱۹۶۲ء میں شمسی رصدگاہوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کے تحت اب تک چھے رصدگاہیں سورج کے چاروں طرف چھوڑی جاچکی ہیں۔ چھٹی رصدگاہ ابھی چند روز قبل چھوڑی گئی ہے۔

ایسی رصدگاہ میں کوئی انسان تو سوار نہیں ہوتا، لیکن اس میں ایسے خودکار آلات اچھی خاصی

تعداد میں لگائے جاتے ہیں جو سورج کے حالات کا جائزہ لے کر زمین والوں کو ان کی اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ سائنس داں زمین پر بیٹھے بیٹھے ہی ان آلات کو قابو میں رکھتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں، انھیں چلا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انھیں روک لیتے ہیں۔

سورج کے طوفان

یہ چھٹی شمسی رصدگاہ چھے سو چالیس پونڈ وزنی ہے۔ اس میں ایسے آلات لگائے گئے ہیں جو سورج کی سطح پر پیدا ہونے والے طوفانوں کا پتا لگائیں گے۔ یہ طوفان ہماری زمین پر بھی اثر ڈالتے ہیں۔ ہمارا مواصلاتی نظام ان کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے خراب بھی ہو جاتا ہے۔ سائنس داں یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ طوفان کیوں پیدا ہوتے ہیں اور پھر کیسے پھیلتے بڑھتے ہیں۔

سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ ہر گیارا سال بعد شمسی طوفان میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت یہی صورت ہے کہ سورج کی سطح بے حد متلاطم ہے اور ہماری زمین اس سے متاثر ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے یہ رصدگاہ سورج کی طرف بھیجی گئی ہے۔ اس کی بھیجی ہوئی معلومات سے سائنس دانوں کو ان طوفانوں اور شمسی شعلوں کے متعلق ایسی باتیں معلوم ہوں گی جن کی مدد سے ان شعلوں کے متعلق پیش گوئی کرنا آسان ہو جائے گا اور قمری سیاح پہلے سے ان سے بچنے کا انتظام کر سکیں گے۔ ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ شمسی شعلے ہیں کیا۔

سورج ایک ستارہ ہے

سورج ادنا درجے کا ایک زرد ستارہ ہے۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار میل ہے یعنی وہ زمین کے مقابلے میں بہت بڑا ہے جس کا قطر صرف آٹھ ہزار میل ہے۔ سورج میں جا بجا پھیلی گیس ہائیڈروجن بھری ہوئی ہے۔ زبردست دباؤ کی وجہ سے اس گیس کے ایٹم ٹوٹتے ہیں اور اس طرح جو توانائی خارج ہوتی ہے، وہ روشنی اور حرارت کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہے۔

سیاہ دھبے

سورج کے متعلق سب سے زیادہ دل چسپ چیز وہ سیاہ دھبے ہیں جو اس کی سطح پر نظر آتے رہتے

ہیں۔ سورج اندر سے بہت زیادہ گرم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے مرکز پر کوئی مادّہ کھول رہا ہے۔ وہاں سے گیسیں پھوٹتی ہوئی اوپر تک آجاتی ہیں اور زبردست طوفانوں کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ طوفان ان گیسوں کو چیرتے ہوئے باہر نکل آتے ہیں اور سورج کی سطح پر بڑے بڑے سوراخ پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی سوراخ دوربین سے دیکھنے پر دھبّوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

یہ دھبّے تعداد میں کبھی کبھی صرف ایک آدھ اور کبھی بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی ظاہری شکل بھی بدلتی رہتی ہے۔ کبھی گول، کبھی بیضوی اور کبھی کچھ اور۔ ان کا سائز بھی مختلف ہوتا ہے۔ بعض دھبّے تو بہت ہی مختصر ہوتا ہے، لیکن چھوٹا ہونے کے باوجود بھی اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ہمارے پورے برِّ اعظم ایشیا پر چھا جائے اور بعض اتنا بڑا ہوتا ہے کہ سیاہ عینک کی مدد سے نظر آجاتا ہے۔

یہ دھبّے کبھی کبھی صرف چند گھنٹوں میں غائب ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ہفتوں تک سورج کی بالائی سطح پر قائم رہتے ہیں۔ کبھی مہینوں تک غائب نہیں ہوتے، لیکن اپنی شکل برابر بدلتے رہتے ہیں۔

ان دھبّوں کی مدد سے ہم اس نتیجے پر بھی پہنچے ہیں کہ سورج اپنے محور پر گھومتا بھی رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہماری زمین۔ فرق یہ ہے کہ ہماری زمین کو ایک محوری گردش پوری کرنے میں چوبیس گھنٹے لگتے ہیں اور سورج کو جتنا عرصہ لگتا ہے، وہ ہمارے پچیس دن کے برابر ہے۔

شمسی طوفان

سورج کی سطح سے اٹھنے والے زبردست شعلے سورج گرہن کے وقت خاص طور پر نظر آتے ہیں۔ سائنس داں پورے سورج گرہن کی بے شمار تصویریں اتارتے ہیں۔ جب سورج کی پوری سطح چھپ جاتی ہے تو سیاہی کے چاروں طرف چمک دار شعلوں کی لپک نہایت حسین معلوم ہوتی ہے۔ یہ شعلے سورج کی سطح سے ہزاروں میل کی بلندی تک اٹھتے رہتے ہیں۔ ان کی اونچائی ستر ہزار میل تک سمجھی گئی ہے، لیکن ایک تصویر سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ ایک لاکھ چالیس ہزار میل کی اونچائی تک اٹھے۔

شمسی طوفان زمین پر اٹھنے والے طوفانوں کی نسبت کہیں دیرپا ہوتے ہیں۔ چوں کہ زمین

سورج سے پیدا ہوئی تھی اور ہر طرح اسی پر منحصر ہے، اس لیے شمسی طوفان ہماری زمین کو برابر متاثر کرتے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ اثر ہمارے وائرلیس پروگراموں اور مواصلاتی نظام پر پڑتا ہے۔ سائنس داں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شعلے ہمارے موسم پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

زبردست فاصلہ

شمسی رصد گاہوں کو زمین سے اٹھا کر نو کروڑ میل دور تک پہنچانے کا یہ پروگرام امریکی خلائی نظامت "ناسا" نے مارچ ۱۹۶۲ء میں شروع کیا تھا۔ اس سلسلے میں آٹھ رصد گاہیں چھوڑی جائیں گی۔ تیسری رصد گاہ اگست ۱۹۶۵ء میں چھوڑی گئی تھی، لیکن کام یاب نہ ہو سکی۔ باقی تمام رصد گاہوں نے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں جن سے پوری دنیا کو فائدہ پہنچے گا۔ چھٹی رصد گاہ جو ابھی کچھ دن پہلے چھوڑی گئی ہے، تقریباً چھے ماہ زندہ رہے گی۔

اس رصد گاہ میں سات مختلف تجربات رکھے گئے ہیں، جن کا مجموعی وزن ۲۲۷ پونڈ ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کی تعمیر میں دنیا کی کئی یونی ورسٹیوں نے حصّہ لیا ہے، مثلاً ہارورڈ کالج، ایریزونا یونی ورسٹی یونیورسٹی آف نیو میکسیکو، بولونا کی اطالوی یونیورسٹی، یونورسٹی کالج آف لندن، امریکی بحری تحقیقاتی لیبوریٹری اور لاس الاموس نیو میکسیکو سائنٹفک لیبوریٹریز۔ امید ہے ان متحدہ کوششوں سے ہمیں سورج سے آنے والی بالائے بنفشی شعاعوں، ایکس ریز اور گاما شعاعوں کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو سکیں گی اور بین الاقوامی طور پر ہماری واقفیت میں اضافہ ہوگا۔

سورج کا ٹمپریچر

سورج نہایت گرم کُرہ ہے۔ اس کی سطح کا درجۂ حرارت دس ہزار ڈگری سے تیرا ہزار ڈگری فیرن ہائٹ تک سمجھا گیا ہے، لیکن اس کے اندر بہت زیادہ گرمی بھری ہوئی ہے، چناں چہ اس کا اندرونی ٹمپریچر ۲ کروڑ سے ۴ کروڑ ڈگری فیرن ہائٹ تک بتایا جاتا ہے۔

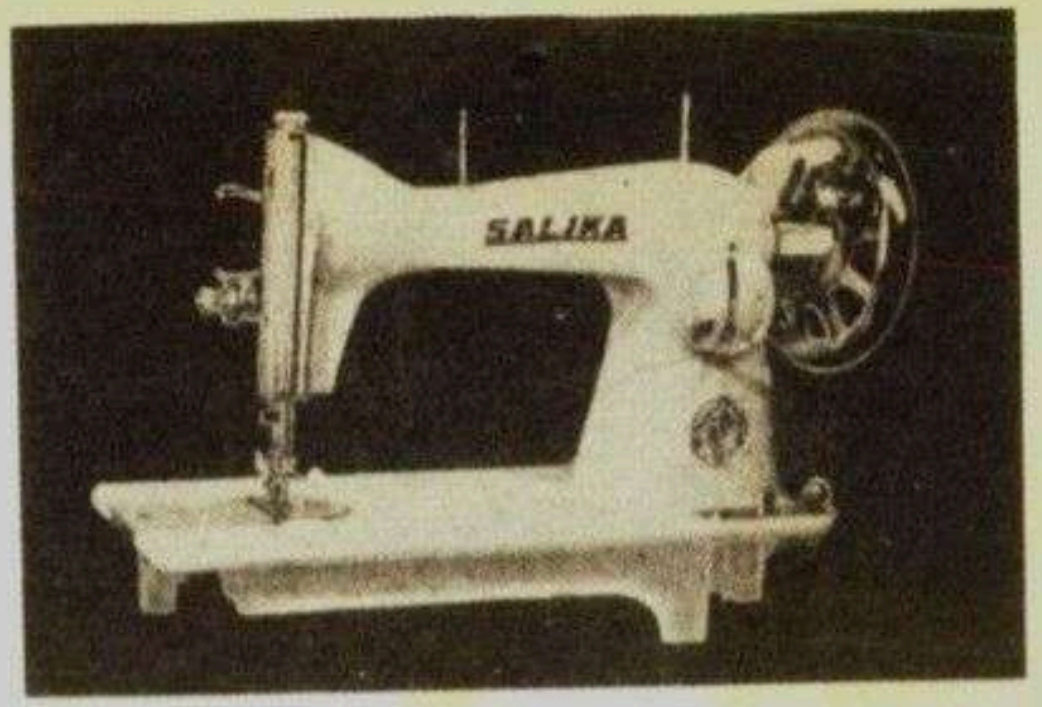

سلیقہ سِلائی کی مشین

پائیدار • سُبک رفتار • ارزاں

سلیقہ سوئنگ مشین کمپنی (انڈسٹری)

(آفس و شوروم:) پاکستان چوک۔ فریئر روڈ۔ کراچی۔ فون نمبر ۲۳۵۶۳۰

فیکٹری۔ ۱۴۱/آر ڈی۔ ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای۔ کراچی۔ فون نمبر ۶۱۳۱۱۳۔۶۱۳۱۱۴

ان الفاظ کے معنی تلاش کیجیے

اس صفحے میں کچھ الفاظ اور معنی لکھے ہیں، لیکن صحیح معنی لفظ کے سامنے نہیں ہیں، بلکہ آگے پیچھے کر دیے ہیں، تاکہ پڑھنے والے اپنے دماغ سے معنی سوچیں اور صفحے کے آخر میں دیے ہوئے نمبروں سے ملا کر لفظ کے آگے خالی جگہ میں لکھ دیں۔ لفظ کا نمبر لکیر کے اوپر ہے اور معنی کا نمبر نیچے۔ اس طرح پڑھنے والوں کو اپنی معلومات کا اندازہ بھی ہوگا اور صحیح معنی بھی یاد ہو جائیں گے۔

۱- سبیل - - - - - - - - - - - - ملا ہوا، برابر، قریب

۲- خروس - - - - - - - - - - - - سُور

۳- خرس - - - - - - - - - - - - مُرغ

۴- خوک - - - - - - - - - - - - ریچھ

۵- لاابالی - - - - - - - - - - - - بھنور

۶- علت - - - - - - - - - - - - سچا، دوست، ظاہر، وفادار

۷- ورطہ - - - - - - - - - - - - راستہ، طریقہ، تدبیر

۸- سفینہ - - - - - - - - - - - - بے کار، بے فائدہ

۹- سُود - - - - - - - - - - - - علاج

۱۰- فرفر - - - - - - - - - - - - حیران پریشان، بدحال

۱۱- واہی تباہی - - - - - - - - - - - - وجہ، سبب

۱۲- عسکری - - - - - - - - - - - - فائدہ، بھلائی، قرض کا منافع

۱۳- صادق - - - - - - - - - - - - جلدی جلدی، بے روک (جیسے فرفر پڑھنا)

۱۴- درماں - - - - - - - - - - - - فوجی، لشکری

۱۵- متصل - - - - - - - - - - - - کشتی

۱/۷ ۲/۳ ۳/۴ ۴/۲ ۵/۸ ۶/۱۱ ۷/۵ ۸/۱۵ ۹/۱۲ ۱۰/۱۳ ۱۱/۱۰ ۱۲/۱۴ ۱۳/۶ ۱۴/۹ ۱۵/۱

امّی ، میں بس میں رعایتی ٹکٹ سے
جاتا ہوں۔ رعایتی نمبروں سے پاس ہوا
تو کیا حرج ہے !

رنگ برنگی پھلجھڑیاں

ایک پروفیسر صاحب جلدی میں کہیں جانے والے تھے۔ جب تیار ہو کر چلنے لگے تو ان کی بیگم نے ان سے کہا، "پان کھا لیجیے اور وہ پلٹ کر پان کھانے آ گئے۔ پھر جلدی سے باہر جانے لگے تو ان کی بیگم نے کہا، "ارے بھئی وہ جوتا۔" پروفیسر صاحب گھبرا کر بولے، "بیگم، اسے رکھ لو، میں اسے آ کر کھا لوں گا۔"

■

ماں: (بیٹے سے) بیٹا، ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔
بیٹا: امی، تو پھر یہ بتا دیجیے کہ کل کا بسکٹ والا ڈبا کہاں ہے جو ابو لائے تھے۔

(امان اللہ خاں، کراچی)

ملا نصر الدین کے لطیفے

ملا کی بیوی نے ایک رات ملا سے کہا، ہمارا لڑکا اب سیانا ہو گیا ہے۔ اس کی شادی کر دی جائے۔"
ملا نے کہا، "ایسے زمانے میں جب کہ اس کی جیب میں روپیہ نہیں ہے۔"
بیوی نے کہا، "اپنا گدھا بیچ دو۔ خرچ نکل آئے گا۔" اس کے بعد دوسرے معاملات پر گفت گو ہونے لگی۔ ملا کے بیٹے نے جو لحاف اوڑھے لیٹا تھا اور ان دونوں کا خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے، اٹھ کر کہا، "بابا جان، گدھے کی باتیں کیوں نہیں کرتے؟"

■

ملا نصر الدین ایک شخص کے مکان پر گئے۔ اس کے نوکر نے کہا، "مالک گھر پر نہیں ہیں۔"
کچھ دن بعد اسی شخص کو ملا سے کام پڑ گیا تو وہ ملا کے گھر گیا۔ ملا نے اسے دیکھ لیا اور کہا، "میں گھر میں نہیں ہوں۔" اس شخص نے کہا، "آپ کیوں مذاق کر رہے ہیں۔ یہ آواز آپ ہی کی ہے۔" ملا نے کہا، "مذاق تو آپ کر رہے ہیں۔ چند دن پہلے میں نے آپ کے نالائق نوکر کی بات مان لی تھی، آج آپ خود میری بات کا یقین نہیں کر رہے ہیں!"

■

ملا کا ہمسایہ ایک دن ملا کے پاس آیا اور ان سے ان کا گدھا مانگا۔ ملا نے کہا، "گدھا گھر میں نہیں ہے۔" اتنے میں اندر سے گدھے کے رینکنے کی آواز آئی۔ ہمسائے نے کہا، "آپ تو کہتے تھے گدھا گھر میں نہیں ہے، پھر یہ رینکنے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟" ملا نے غصے سے کہا، "عجیب بے وقوف آدمی ہو۔ اس سفید داڑھی والے کی بات نہیں مانتے اور گدھے کے رینکنے کا اعتبار

کر رہے ہو۔"

■

ایک دن مُلّا نے ایک مزدور سے کہا کہ یہ سامان اٹھا کر میرے گھر لے چل۔ راستے میں مزدور گم ہو گیا۔ مُلّا نے اُسے بہت ڈھونڈا، لیکن وہ نہ ملا۔ آخر دسویں دن، جب مُلّا اپنے دوستوں کے ساتھ جا رہے تھے، ان کی نظر اسی مزدور پر پڑی۔ مُلّا نے دوستوں سے کہا، یہی وہ مزدور ہے، جسے میں دس دن سے تلاش کر رہا ہوں، لیکن مزدور سے کچھ کہے بغیر مُلّا چلے گئے۔ دوستوں نے پوچھا کہ مزدور سے اپنا سامان کیوں طلب نہیں کیا؟ مُلّا نے کہا، "میں اس فکر میں تھا کہ اگر اس نے دس دن کی مزدوری مجھ سے طلب کر لی تو کہاں سے دوں گا؟"

■

مُلّا نے ایک دن اپنے گدھے کو بری طرح پیٹا۔ ایک راہ گیر ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے مُلّا سے کہا، "اے ظالم شخص تو اس بے زبان جانور کو اس بری طرح کیوں مار رہا ہے؟"

مُلّا نے گدھے کو مارنا بند کر دیا اور کہا، "میرے آقا، مجھے معاف کر دیجیے، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کی اس سے رشتہ داری ہے۔"

■

مُلّا نے ایک نہایت بدصورت شخص سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا، "آدم۔" اس پر مُلّا نے کہا، "خدا تیرے ماں باپ کو بخشے جنھوں نے تیرا یہ نام رکھا، ورنہ شکل و صورت سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ تو آدمی ہے۔" (طارق احمد بٹ، کراچی)

میری چار سالہ بہن صالحہ نے مچھلی کھانے کے بعد پانی کا ایک پورا گلاس پی لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پانی پینے لگی۔ امّی نے دیکھا تو ٹوکا کہ بی بی اتنا پانی نہ پیو۔ صالحہ کو مچھلی کھانے کی وجہ سے پیاس بہت لگ رہی تھی، مگر اس نے فوراً کہا، "امّی، میں پیاس کی وجہ سے پانی نہیں پی رہی ہوں۔ اس وجہ سے پی رہی ہوں کہ مچھلی میرے پیٹ میں تیرتی رہے۔"

■

ایک بوڑھی عورت نے ریل گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے قلی سے پوچھا، "بیٹا، اس گاڑی کی راستے میں کہیں ٹکر تو نہیں ہو جائے گی؟"

قلی نے جواب دیا کہ اماں، تمھیں یہ خیال کیوں آیا، وہم مت کرو اور آرام سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔

بڑی بی نے کہا، "بیٹا، میرے پاس انڈوں کی ٹوکری ہے۔ گاڑی ٹکرائی تو سارے انڈے ٹوٹ جائیں گے۔"

■

"میں نے چھٹیاں کیسے گزاریں" کے عنوان سے ایک بچے نے مضمون لکھ کر ماسٹر صاحب کو دیا۔ اس نے مضمون میں لکھا تھا کہ میں نے اپنی چھٹیاں اپنے والد کے ساتھ ان کے جہاز پر گزاریں۔ ماسٹر صاحب نے بچے سے پوچھا کہ تمھارے والد کا اپنا جہاز ہے؟ بچے نے جواب دیا کہ جہاز تو نہیں کشتی ہے، مگر چونکہ مجھے کشتی لکھنا نہیں آتا، اس لیے میں نے جہاز لکھ دیا ہے۔ (عفیفہ مسعود، کراچی)

تمہارا خیال ہے

ٹکٹ اور سکّے

میں رسالہ نونہال تقریباً تین سال سے پڑھ رہی ہوں۔ ۱۹۶۹ء کے سال نامے میں بہت سے مضمون پرانے تھے۔ اپریل ۱۹۷۰ء کے رسالے میں صرف دو لطیفے نئے ہیں۔ معلوماتی مضامین مجھے بہت پسند ہیں۔ ٹائیٹل پر مختلف ممالک کے ٹکٹوں اور سکّوں کی اور جھنڈوں یا ایسی چیزوں کی تصاویر دیا کریں جو کہ عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں۔ "چار مسافر سات سفر" کی طرح کا کوئی اور سلسلہ شروع کریں اور معلوماتِ عامہ پر انعام ضرور رکھیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا، کا سلسلہ جاری رکھیں۔ "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" بہت اچھی کہانی تھی۔ اس شمارے کے سارے مضامین اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ کبھی کبھی مزاحیہ خاکے یا ہلکے پھلکے ڈرامے بھی شامل کیا کریں۔

(فریدہ پروین خلجی، کراچی)

واحد رسالہ

میں ہمدرد نونہال کا دو سال سے مطالعہ کرتا آرہا ہوں۔ یہ پاکستان کا واحد رسالہ ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ دنیا کا واحد ماہ نامہ ہے۔ (مظفر علی قریشی، کراچی)

نونہال شاعر

سرورق دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ رسالہ اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑی تنقیدی نظروں

سے پرکھا۔ اس میں کوئی بھی ایسی خامی نظر نہ آئی جس کے متعلق شکایت کی جائے۔ یہ رسالہ ہر طرح سے بھرپور ہے۔ البتہ ایک حقیر مشورہ پیش کرتا ہوں کہ ہمدرد نونہال میں "نونہال شاعر" کے لیے چند صفحات مخصوص کر دیں۔ جس میں نونہالوں کے خود ساختہ اشعار شائع کیے جائیں۔ باقی تو اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اب خاص نمبر کا بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔

(جمیل حسین طارق، بورے والہ)

جاگو جگاؤ

سرورق دیکھتے ہی چوم لیا۔ اندر کھول کر دیکھا، اتنا خوب صورت، دل چسپ اور معیاری تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ "جاگو جگاؤ" میں ایسا نور ہے کہ سارا رسالہ چمک رہا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کی نونہالوں سے اس قدر ہمدردی پر مبارک باد۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔

(عادل رشید، کراچی)

میری نظر اس کے سرورق پر پڑی تو میں اتنا خوب صورت مور دیکھ کر حیران ہو گیا۔ رسالے کو کھولتے ہی میری توجہ جناب حکیم محمد سعید صاحب کے "جاگو جگاؤ" پر گئی۔ جو بہت سبق آموز تھا۔ حکیم احمد اللہ ندوی صاحب کا مضمون "السلام علیکم" بہت دل چسپ اور مفید تھا۔ بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا؟ بھی بہت اچھا مضمون تھا۔ کہانیوں میں مجھے "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" اور "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" بہت پسند آئیں۔ لطیفے ٹھیک تھے اور کارٹون بہت اچھے تھے۔ علی ناصر زیدی صاحب کا مضمون "انسان نے آگ جلانا کیسے سیکھا" ایک اچھا مکالمہ تھا۔

(جاوید اقبال باڑی، کراچی)

میں کافی عرصے سے ہمدرد نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ میں نے اس رسالے کو سب سے الگ اور منفرد پایا۔ مئی کا نونہال اتنا پرکشش تھا کہ میں نے تمام مضامین پڑھ کر ہی دم لیا۔ حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" اپنی مثال آپ ہے اور پورے رسالے کی جان ہے۔ پند و نصائح اتنی پُراثر ہوتی ہیں کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ اس رسالے میں اعجاز الحق قدوسی صاحب نے مضمون "بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا؟" لکھ کر مزا دوبالا کر دیا۔ وہ آئندہ بھی توزکِ جہانگیری میں سے کوئی نہ کوئی واقعہ لکھتے رہیں، تاکہ ہمیں اس نادر کتاب سے کچھ واقفیت ہو۔ باقی دوسرے مضمون بھی بہت خوب تھے۔ حکیم صاحب اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(محمد اشفاق بٹ، کراچی)

حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ"، مجھے بہت پسند ہے۔ اگر ہم ان باتوں پر عمل کریں تو نہ دنیا میں دکھ پائیں نہ آخرت میں۔ اس کے علاوہ میری چند تجاویز ہیں: ہمدرد نونہال کے صفحات بڑھا دیں۔ سوال و جواب کا کالم شروع کر دیں۔ ہر ماہ ایک دو دینی مضمون ضرور شائع کریں۔

(نوید اختر شیخ فیروز پوری، ملتان)

مئی کا شمارہ پورے بک اسٹال پر انوکھے انداز میں چمک رہا تھا۔ پہلی نظر جناب حکیم محمد سعید صاحب کے "جاگو جگاؤ" پر پڑی۔ بس یوں کہا جائے کہ یہ کالم رسالے کی جان تھا اور ہے۔ سرورق کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ "السلام علیکم"۔ "دانائی کی باتیں"۔ "ذم دار تارا"، "رسول پاک مدینے میں"، "مصیبت اور خوش مزاجی" بہت اچھے مضامین تھے۔ دوسری کہانیاں مناسب تھیں۔ (سید عثمان ٹیپاری، حیدر آباد سندھ)

خاص نمبر

مئی ۱۹۷۰ء کا نونہال پوری آب و تاب کے ساتھ ہاتھ میں آیا۔ بہت سی نئی تبدیلیاں دیکھ کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ مزے دار کہانیاں، چٹپٹے لطیفے اور دل چسپ مضامین کے علاوہ سب سے بڑھ کر خوشی یہ ہوئی کہ اگست میں خاص نمبر شائع ہو رہا ہے۔ یہ دن بڑی ہی مشکل سے کٹیں گے۔ خیر، اب صبر کرنا ہی پڑے گا۔

(محمد طاہر الیاس، کراچی)

اس دفعہ ٹائیٹل بھی بہت ہی خوب صورت تھا۔ امید ہے کہ آپ خوب صورت ٹائیٹل کے ساتھ ایسا ہی شمارہ پیش کریں گے۔ اس دفعہ کہانیاں اور مضامین بہت اچھے تھے۔ خاص کر حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" بہت زیادہ پسند آیا۔ کہانیوں میں "بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا"، "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا"، بے حد پسند آئیں دوسری کہانیاں اور مضامین بھی بے حد پسند آئے۔ اور ہاں دیکھیے، کتنے نونہالوں نے آپ سے فرمائش کی "سوال و جواب" کا کالم پھر سے شروع کر دیں۔ میں ان سب سے اتفاق کرتا ہوں۔ اور سال نامہ یا خاص نمبر کب نکل رہا ہے؟ بہت انتظار ہے۔

(نصیر احمد دشتی بلوچ، کراچی)

مئی کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ خاص کر اعجاز الحق قدوسی صاحب کا مضمون "بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا" بہت اچھا تھا۔ میری رائے ہے کہ بادشاہ جہانگیر کے قصے آئندہ بھی شائع کریں۔ "چنو منو کی جادو کی بوتل" اور عبدالجلیل قریشی صاحب کی کہانی "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" اور علی ناصر زیدی صاحب کا مضمون "انسان نے آگ جلانا کیسے سیکھا" بے حد پسند آئے۔ نظموں میں انجم اعظمی صاحب کی نظم "ساحل"، اور حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ خاص نمبر کے صفحات ۲۵۰ رکھیں اور قیمت بے شک دو روپے رکھ لیں۔

(شاہد اکرم ساگری)

سرورق

"ملا نصر الدین کی تقریر بہت پسند آئی۔ "اخبار نونہال" کافی معلوماتی تھا۔ "انسان نے آگ جلانا کیسے سیکھا؟" بھی معلوماتی مضمون تھا۔ عبدالجلیل قریشی صاحب کی کہانی "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" اچھی تھی۔ اس دفعہ کا ٹائیٹل بھی بہت اچھا تھا۔ امید ہے آپ

آئندہ بھی اچھا ٹائیٹل چھاپیں گے۔ معلوماتی اور جاسوسی کہانیاں دوبارہ شروع کریں۔

(سید فیض القدیر، پشاور چھاؤنی)

اس دفعہ کا نونہال بہت اچھا تھا۔ سرورق میں کوئی خاص جاذبیت نہ تھی۔ پسند آنے والی کہانیاں اور مضمون یہ ہیں: "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" "دم دار تارا" "انسان نے آگ جلانا کیسے سیکھا" "اس کے علاوہ بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا" بہت اچھا اور دل چسپ مضمون تھا آپ ایسے ہی سچے اور دل چسپ مضامین ضرور شائع کیا کریں۔ "پرندے تک حکم مانتے ہیں" نقل شدہ مضمون تھا۔

(پرویز احمد علوی، کراچی)

مئی کا نونہال پڑھ کر دل کو ازحد مسرت ہوئی۔ واقعی رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس میں نونہالوں کی نشوونما کے لیے بہت سامان ہوتے ہیں۔ جس طرح حکیم صاحب نے طرح طرح کے ٹانک ایجاد کر کے ہمیں بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات دلائی، اسی طرح انھوں نے ہمدرد نونہال نکال کر بچوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" پسند ہے جس میں وہ نونہالوں کو اچھی راہ دکھاتے ہیں۔ اس ماہ لطیفے کافی جان دار تھے۔ محمد زکریا مائل صاحب کی کہانی "پرندے تک حکم مانتے ہیں"، نظم "ساحل" اور نونہال ادیب کی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ رسالے کا ٹائیٹل کچھ اچھا تھا۔ میں نے سنا ہے آپ اگست میں خاص نمبر نکال رہے ہیں۔

(محمد محبوب وارث، کراچی)

کارٹون

اس مرتبہ رسالہ تمام رنگینیوں اور سنہری کلیوں سے بھرپور تھا۔ اس دفعہ سب مضامین پسند آئے۔ خاص طور پر حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ"، حکیم احمد اللہ ندوی صاحب کا مضمون "السلام علیکم" اور معلوماتی مضمون 'دُم دار تارا' بہت اچھے تھے۔ ٹائیٹل بہت ہی جاذبِ نظر تھا۔ مشتاق صاحب کے کارٹون بڑے مزاحیہ تھے۔ نونہال پاکستان کے بچوں کی صحیح خدمت اور ترجمانی کر رہا ہے۔

(محمد حیات خاں نیازی، دریاخاں)

مجھے پہلی مرتبہ نونہال پڑھنے کا موقع ملا۔ رنگین اور دل کش ٹائیٹل نے رسالے کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس رسالے میں "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" "جادو کی بوتل"، "پرندے تک حکم مانتے ہیں" "تین کاہلوں کی آپ بیتی" اور خاص کر کارٹون بہت شان دار تھے۔ ملا نصر الدین کی تقریر بھی اچھی تھی، لیکن اس میں مذہبی مضامین بہت کم ہوتے ہیں، لہٰذا اس میں مذہبی مضامین بھی شائع کریں۔

(عبدالستار راجپوت، شہداد پور)

"ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" اور مشتاق صاحب کے دونوں کارٹون مجھے بہت پسند آئے۔ مئی کا نونہال

پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور لطیفے زیادہ خاص نہیں تھے۔ (عبدالعزیز کھتری، کراچی)

سوال وجواب

رسالے میں سب سے پہلے حکیم محمد سعید صاحب محترم کا "جاگو جگاؤ" پڑھا جو کافی سبق آموز تھا۔ اس دفعہ تمام کہانیاں، مضامین اور نظمیں قابلِ تعریف تھیں۔ مشتاق صاحب کے دونوں کارٹون کافی مزاحیہ تھے۔ سوال وجواب کا کالم دوبارہ شروع کیا جائے اور ایک ایسا خاص نمبر نکالا جائے جس کی قیمت دوروپے اور ضخامت ۱۰۰ صفحات ہو۔ اس نمبر کے ٹائیٹل پر رنگ برنگے پھول مثلاً گلاب، موتیا، چمبیلی، یاسمین اور نیلوفر کے پھول چھاپے جائیں۔ (محمد یٰسین شیخ، گوجرخاں)

خاص نمبر

یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ اگست میں خاص نمبر نکالنے والے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس میں کوئی مقابلہ کروائیے۔ مضمون نویسی کا یا معلوماتی مقابلہ یا کوئی بھی۔ حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" بہت ہی نصیحت آموز ہے۔ نونہال ادیب میں جان دار مضامین تھے۔ (زینت یاسمین، کراچی)

اچھے مضامین

مئی کا شمارہ جیسے ہی ملا، ایسا لگا جیسے رسالوں کا سردار آگیا۔ اس میں "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" "ملا نصرالدین کی تقریر"، "رسول پاک مدینے میں" اور "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا!" اور دوسرے مضامین بھی اچھے تھے۔ (محمد شوکت، نواب شاہ)

اچھے انسان

تمام کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ حکیم صاحب ہمیں ہر مہینے ایسی باتیں بتاتے ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو اچھے انسان بن سکتے ہیں۔ یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ اگست میں نونہال کا خاص نمبر نکل رہا ہے۔ (طارق احمد بٹ، کراچی)

رسالوں کا بادشاہ

مئی کا ہمدرد نونہال پڑھا تو مزا ہی آگیا۔ موجودہ شمارے میں حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ"، "پرندے تک حکم مانتے ہیں" "مصیبت اور خوش مزاجی" "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا" اور "رنگ برنگی پھلجھڑیاں" بہت پسند آئے۔ اس کے علاوہ سرورق بہت ہی دل فریب تھا۔ (ظفر اقبال جعفری، سکھر)

ہر چیز ہے

اس دفعہ کا ٹائیٹل لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں، نظمیں اور مضامین اپنی مثال آپ تھے۔ ہمدرد نونہال صحیح

معنوں میں پاکستان بھر میں نونہالوں کا واحد رسالہ ہے جس میں ہر نونہال کی خواہش اور ضرورت کے مطابق چیزیں چھپتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ "جاگو جگاؤ" کی موجودگی قابلِ تعریف ہے۔ بلاشبہ ہمدرد نونہال کو پڑھنا میں باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔ (علیم الدین خاں، نواب شاہ)

عظیم شخصیات

نونہال ہر طرح سے اچھا ہے۔ مضمونوں کا تو جواب نہیں۔ سرورق بہت ہی خوب صورت ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" بہت نصیحت آموز اور سبق آموز ہے۔ آپ رسالے کے درمیان میں اشتہار نہ دیں تو بہتر ہے۔ کارٹون بہت ہی دل چسپ ہوتے ہیں۔ اگر آپ نونہال میں عظیم شخصیات کے متعلق معلومات کا ایک سلسلہ شروع کریں تو بہت بہتر ہوگا۔ (عبدالرؤف فاضلانی، کراچی)

خاص نمبر

ٹائیٹل نہایت دیدہ زیب، رنگین اور خوب صورت تھا۔ اس بار جناب حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" خوب رہا۔ مضامین میں "السلام علیکم" "بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا" "ملا نصر الدین کی تقریر" "مصیبت اور خوش مزاجی" بہت دل چسپ مضامین تھے۔ کہانیاں تقریباً سبھی اچھی تھیں۔ انجم اعظمی صاحب کی نظم "ساحل" بہترین نظم تھی۔ اتنے سلجھے ہوئے انداز میں نظم لکھنے پر انجم صاحب کو میری طرف سے مبارک باد۔ نونہال ادیب میں محمد سردار نوشاد صاحب کا "مشرقی پاکستان کا رنگین ساحل"، فضل رزاق صاحب کا "پچھتاوا" اور عالم رضا صاحب کا "جرمنی میں اذان" خوب رہے۔ خاص نمبر کے سلسلے میں میرے ذہن میں تجویز یہ ہے کہ جب آپ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر نکالیں تو اس کے ٹائیٹل پر مشہور شخصیتوں مثلاً محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح وغیرہ کی تصویریں بنائیں۔
(نثار احمد ناز، گوجر خاں)

رسالوں کا شہزادہ

سرورق پسند آیا۔ خاص طور پر معلوماتی کہانی "انسان نے آگ جلانا کیسے سیکھا؟" نونہال ادیب کی معلوماتی کہانیاں اور حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" پسند آئے۔
(شفاعت اللہ خاں، کراچی)

سلسلے وار کہانی

مجھ کو تین کہانیاں خاص طور پر پسند آئیں: اوّل "پرندے تک حکم مانتے ہیں"، دوئم "وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا"، سوئم "بادشاہ جہانگیر نے کیا کیا دیکھا"۔ ایک کہانی "ننھے انگوٹھے نے چوروں کو بھگا دیا" چوری کی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ تمام نظمیں بھی پسند آئیں۔ کوئی سلسلے وار کہانی جو مزاحیہ ہو ضرور شائع کریں۔ (عبدالصمد قریشی، کراچی)

پُرانا پتلون

شاکر گہری نیند سویا ہوا سنہرے سپنے دیکھ رہا تھا۔ بہت دیر سے اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ اتنے میں کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور بولا: "کون ہے دروازہ کھٹکھٹانے والا؟"

باہر سے آواز آئی، "میں ہوں تمھارا دوست ناصر۔ بھئی کیا ابھی تک سونے سے جی نہیں بھرا۔ دیکھو سورج کتنا اونچا ہو گیا۔ دھوپ تیز ہوتی جا رہی ہے۔ بس اب اُٹھ بیٹھو اور منھ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔"

"تو کیا میں اکیلا ہی ناشتہ کروں، تم میرا ساتھ نہیں دو گے ناصر؟"

"نہیں بھئی، تکلف میں نہ پڑو۔ میں تو گھر سے تیار ہو کر آیا ہوں اور ہاں شاکر، ناشتہ کر کے پرانے کپڑے پہن لو۔ میں چاہتا ہوں کہ آج ہماری تفریح ہرے بھرے کھیتوں میں ہو۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟ آ جاؤ جلد تیار ہو کر۔"

یہ سنتے ہی شاکر بستر پر سے اُچھل پڑا۔ وہ خود ہی سیر کا بڑا شوقین تھا۔

شاکر نے جلدی جلدی ہاتھ منھ دھوئے اور ضروری کاموں سے فرصت پا کر پرانا پتلون تلاش کرنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پتلون مل گیا۔ چھوٹی تراش کی قمیص اور ہلکے جوتے بھی پہنے پھر پتلون کی جیب میں ضرورت بھر کی ریزگاری ڈال کر گھر سے نکلا تھوڑے ہی فاصلے پر ناصر کا گھر یعنی کھیت تھا۔ وہاں پہنچ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی نگاہیں رہ رہ کر کھیت پر پڑ رہی تھیں جس میں کاشت کی ہوئی قسم قسم کی سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ خاص کر سلاد کے بڑے بڑے پودے بہت ترو تازہ نظر آ رہے تھے۔ ناصر سلاد کا بڑا شوقین تھا۔ اس کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش شاکر

سلاد کا ایک پودا اکھاڑ کر مجھے دے دے تو مزا آجائے۔

شاکر نے اس حال میں اسے دیکھا تو مسکرا کر بولا، "میں سمجھ گیا ناصر، تم کیا چاہتے ہو۔ تمھیں یہ سلاد بہت پسند ہے نا؟"

پھر شاکر ایک بڑے پودے کو توڑنے کے لیے جھکا، تاکہ دوست کی خواہش پوری کر سکے، لیکن وہ یکایک چلایا

"ارے یہ کیا، یہ چاندی کی چمکتی ہوئی چونیاں میں اس کھیت میں کیسے دیکھ رہا ہوں!"

جب وہ انھیں اٹھا کر جیب میں رکھ چکا تو وہ ناصر سے کہہ رہا تھا، "آج کا دن ہمارے لیے بڑا مبارک ہے ناصر!"

اب وہ پھر سلاد توڑنے چلا اور پھر پکار اٹھا، اور یہ دُونی بھی ہے، ماشاء اللہ اور چونیاں بھی کئی ہیں۔

ناصر حیران کھڑا تھا۔ ایک بار وہ بول اُٹھا، "بس بس، بہت ہو چکی۔ لاؤ سلاد!"

شاکر نے جواب دیا، "ارے یہ پانچ چونیاں اور پڑی ہیں۔ نہیں، مجھے یہ سب اٹھا لینے دو۔ واقعی، میں بہت خوش نصیب ہوں۔ معلوم ہوتا ہے جلد ہی بڑا مال دار بن جاؤں گا!"

اور شاکر نے سلاد کے پودوں میں سے ریزگاری اٹھائی اور اپنے پتلون کی جیب میں رکھ لی۔

ناصر نے یہ نقشہ دیکھا تو وہ بھی دھوکے میں آگیا۔ اس نے اپنی بائیسکل باغ کی دیوار سے ٹکا دی اور شاکر کی طرح وہ بھی روپہلے سکّے تلاش کرنے اور اپنے جی میں کہنے لگا، "عجیب بات ہے یہ... کیا یہ ممکن ہے کہ سلاد ریزگاری پھینکنے لگے؟"

اُدھر اس کی تلاش جاری تھی۔ ادھر شاکر چلّائے جا رہا تھا:

"یہ ایک چونّی، یہ دو اور یہ پانچ چونیاں!" یہ کہہ کر انھیں پودوں کے درمیان سے اٹھایا اور جیب میں ڈال لیا۔ اس وقت وہ خوشی سے اپنے جامے میں نہ سما رہا تھا.....

شاکر کے مسرت بھرے نعرے سُن کر لڑکے باغ کے دروازے پر جمع ہو گئے تھے۔

سلیم، شاکر کا ایک اور دوست کہہ رہا تھا، "کیا بات ہے شاکر؟ کیا تمھیں کوئی خزانہ مل گیا ہے؟"

شاکر بولا، "ہاں۔ میں جب بھی سلاد کے پودوں کے درمیان سے گزرتا ہوں، مجھے یہ چونیاں ملتی ہیں۔ میری جیب بھر چکی ہے.... میں تم سب کو حلوائی کی دُکان پر لے چلوں گا اور تم میں

سے ہر ایک کی مرضی کی مٹھائی خریدوں گا۔ ذرا صبر کرو، میں ابھی آتا ہوں تمھارے پاس۔"

اس وقت سے ناصر دونوں آنکھیں سلاد کے پودوں کے درمیان گاڑے سکّے تلاش کر رہا تھا، مگر اسے ایک چونّی بھی نظر نہ آئی۔ اس نے شاکر سے کہا، اب آجاؤ شاکر، جو کچھ تمھارے ہاتھ لگ چکا ہے، بہت ہے۔ اس بات کا اندیشہ نہ کرو۔ اس خزانے کا کھوج کسی اور کو بھی مل سکتا ہے۔ میں کوشش کر کے تھک گیا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ اس خزانے کا وعدہ فقط تمھیں سے کیا گیا ہے!

شاکر نے کہا، "ٹھیک کہتے ہو ناصر، میں ہی اس کا حق دار ہوں۔ خزانہ میرا ہے۔ میری جیب سکوں سے بھری ہوئی ہے۔ آؤ چلیں حلوائی کی دکان پر۔ میں نے اپنے دوستوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں ہر ایک کے لیے اس کی خواہش کی مٹھائی خریدوں گا۔"

لڑکے شاکر کو خوش خوش حلقے میں لیے ہوئے چل رہے تھے۔ وہ ان کا سردار بنا ہوا قدم بڑھا رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوشی سے اس کے قدم زمین پر نہ ٹکتے ہوں۔ حلوائی کی دکان پر پہنچا تو اس سے کہا، "ان میں سے ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی مٹھائی دے دو، قیمت میں ادا کر دوں گا۔"

لڑکے خوشی خوشی مٹھائی لے کر کھانے لگے .... وہ شاکر کے پائے ہوئے خزانے کا ذکر بھی بڑے شوق سے کرتے جاتے تھے۔

جب لڑکے کھا پی کر فارغ ہوئے اور چلنے لگے تو شاکر نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ حلوائی کو قیمت ادا کر دے، مگر اسے جیب میں ایک سکّہ بھی نہ ملا۔ اب تو وہ گھبرا کر چلّایا، "میری نقدی میری نقدی۔ چونّیاں اٹھنیاں کہاں گئیں، ارے یہ کیا! میری جیب تو سکوں سے بھری ہوئی تھی!"

لڑکوں کی خوشی پر اوس پڑ گئی۔ سب دل میں ڈر رہے تھے کہ حلوائی انھیں پولیس کے حوالے کر دے گا۔

اس لیے کہ ان لوگوں نے جو مٹھائی کھائی تھی، اس کی قیمت ادا نہیں کی تھی!

اس وقت ناصر جلدی سے شاکر کی طرف بڑھا اور اس کے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سکّے تلاش کرنے لگا۔ سکّے تو اس کو بھی نہ ملے۔ ایک چیز اور مل گئی جس کی اسے امید نہ تھی۔ اس نے پتلون کی جیب میں ایک بڑا سا سوراخ پایا اور وہ کہہ رہا تھا، "عقل کے دشمن، تمھارے سکّے پھٹی پتلون کی جیب میں سے گر گئے۔ پھر جو سکّے تم باغ کے کھیت میں سے اٹھا رہے تھے، وہ خزانہ نہیں،

خود تمھارے سکّے تھے۔ تم جب بھی اٹھا کر اس پھٹی جیب میں رکھتے، وہ تمھارے قدموں کے قریب آ گرتے۔"

حلوائی سے صبر نہ ہو سکا اور وہ بول اُٹھا، "میرے ساتھ یہ حیلہ نہیں چلے گا۔ تم سب نے جو مٹھائی کھائی ہے، سیدھی طرح اس کی قیمت ادا کر دو، ورنہ میں تمھیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

لڑکے پریشان کھڑے تھے۔ کچھ بنائے نہ بن رہی تھی۔

آخر سب نے اپنی اپنی جیبوں میں جتنی نقدی پائی، نکال کر جمع کی۔ جب پوری مٹھائی کی قیمت اکٹھا ہو گئی تو حلوائی کو قیمت ادا کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہ سب شاکر کو اور پھر اس منحوس دن کو بُرا بھلا کہہ کر وہاں سے اپنی راہ لگے۔

اس کے بعد شاکر اور اس کا دوست ناصر لوٹ کر اسی کھیت میں پہنچے اور جو سکّے وہاں بکھرے ہوئے پائے، انھیں جمع کیا۔

مگر اس قصّے میں سب سے زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ شاکر نے اس موقع پر جتنے سکّے پائے، انھیں پھر اس پھٹی ہوئی جیب میں ڈال لیا۔

انمول موتی

محمد اقبال جمیل

نوید اختر شیخ فیروزپوری (ملتان)

ہر گناہ کی توبہ ہے، مگر بد اخلاقی کی توبہ نہیں۔

دو بھائیوں کے درمیان صلح کرانا صدقے سے بہتر ہے۔

کسی انسان کے دل میں حسد اور ایمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

گناہ کرنے سے انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

لوگ یتیم اس کو کہتے ہیں جس کا باپ زندہ نہ ہو، لیکن میں یتیم اس کو کہتا ہوں جس نے علم حاصل نہ کیا ہو۔ (حضرت علی رضؓ)

اچھی بات کوئی بھی کہے، غور سے سنو۔ (سقراط) بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے (نسائی)

دُھوپ سے نئے کام

جاڑوں میں
دھوپ بڑی اچھی لگتی
ہے اور گرمیوں میں یہی دھوپ
تکلیف دیتی ہے۔ سائنس دانوں نے
دھوپ سے بہت سے کام لیے ہیں۔ مثلاً
اب ایسے چولھے بن چکے ہیں جن پر دھوپ کی مدد سے
کھانا پکایا جا سکتا ہے۔ افریقہ، یورپ اور امریکا میں ایسی
ٹنکیاں استعمال ہو رہی ہیں جو دھوپ کی مدد سے بہت جلد پانی گرم کر دیتی
ہیں۔ فرانس اور دوسرے کئی ملکوں میں ایسی دھوپ بھٹیاں بنائی گئی
ہیں جو دھاتوں پر تحقیقات کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ روس میں دھوپ
سے ٹھنڈک پیدا کی جا رہی ہے۔ وہاں دھوپ سے چلنے والے ریفری جریٹر بنائے جا چکے ہیں۔

ہمارے ملک میں دھوپ کی کمی نہیں، اس لیے یہاں بھی اس سے مفید کام لینے کی
کوشش کی جا رہی ہے۔ پاکستان اٹومک انرجی کمیشن کے سائنس داں اس سلسلے میں کچھ
کام کر رہے ہیں۔ لاہور کے ایٹمی مرکز میں بڑے بڑے آئینوں کی مدد سے دھوپ کو ایک جگہ جمع
کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ پھر دھوپ سے ایک پمپ چلایا جاتا ہے جو زمین سے پانی کھینچ سکتا ہے۔
امید ہے کہ جب یہ تجربہ کام یاب ہو جائے گا تو ایسے پمپ دیہات میں بھی لگائے جا سکیں گے
اور ان سے مختصر پیمانے پر آب پاشی کی جا سکے گی۔

سائنس داں کہتے ہیں کہ دھوپ معمولی چولھے سے لے کر خلائی راکٹ تک چلانے کے
لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ زمین کے چاروں طرف اس وقت جو مصنوعی سیارے گردش کر
رہے ہیں یا جو آلات چاند کی سطح پر کام کر رہے ہیں، ان کی بیٹریاں دھوپ کی مدد سے ہی چلتی
رہتی ہیں۔ زمین سے اٹھ کر جب کوئی سیارہ یا راکٹ خلا میں پہنچتا ہے تو وہ دن رات کی گردش
سے آزاد ہو جاتا ہے۔ خلا میں ہر وقت دن ہی رہتا ہے، پھر وہاں نہ بادل ہیں نہ کہر، ہر وقت کھلی دھوپ

پڑتی رہتی ہے، اس لیے بیٹریاں آسانی سے چارج ہوتی رہتی ہیں۔

آپ نے آتشی شیشہ تو دیکھا ہوگا۔ یہ اصل میں ایک محدب عدسہ ہوتا ہے۔ دھوپ کی کرنیں اس سے گزر کر ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں جسے ماسکہ کہتے ہیں۔ اگر اس نقطے پر کوئی کاغذ، خشک گھاس یا کوئی کپڑا رکھ دیا جائے تو وہ تھوڑی ہی دیر بعد آگ پکڑ لیتا ہے۔ اسی لیے اسے آتشی شیشہ کہا جاتا ہے۔

سائنس داں دھوپ کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے ایسے ہی عدسے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ عدسے بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مقصد کے لیے پیالوں کی شکل کے بہت بڑے بڑے آئینے بھی استعمال کیے جاتے ہیں جو بہت چمک دار ہوتے ہیں۔ دھوپ کی کرنیں ان پر پڑ کر فوراً منعکس ہو جاتی ہیں اور کسی ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کا رُخ کسی بھی سمت میں پھیرا جا سکتا ہے۔

دھوپ بھٹی میں اسی قسم کے آئینے استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن ایک نہیں، بلکہ کئی کئی۔ فرانس کے اوڈیلو نامی مقام پر ایک ایسی ہی بھٹی تیار کی گئی ہے جس کے شیشے کی لمبائی ۱۶۵ فیٹ اور چوڑائی ۱۱۵ فیٹ ہے، یعنی اس کا کل رقبہ ۲۱۰۸ مربع گز ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے شیشے کا تیار کرنا آسان کام نہیں۔

اب ایسے مکانات بھی بنائے جا رہے ہیں جو دھوپ کی مدد سے گرم رہتے ہیں اور ان میں دھوپ کے ذریعے پانی بھی گرم کیا جاتا ہے۔ ایسی مشینیں بھی تیار کی جا چکی ہیں جو دھوپ کی مدد سے گرمیوں میں گھروں کو ٹھنڈا رکھتی ہیں۔

یہ عمارت کراچی کے ایک غیر سرکاری بینک کا مرکزی دفتر ہوگی

(۱) اس مینار نما عمارت کی کل ۲۴ منزلیں ہوں گی۔ (۲) اس کے مرکزی دروازے خود بخود کھلیں گے اور خود ہی بند ہو جائیں گے۔ (۳) اس میں چھے لفٹیں ہوں گی جن کی رفتار ایک منٹ میں چھے سو فیٹ ہوگی۔ (۴) بجلی فیل ہو جانے کی صورت میں اس کا اپنا جدید جنریٹر کام کرے گا۔ (۵) یہ عمارت مکمل ایر کنڈیشنڈ ہوگی۔ (۶) اس میں ایک باغ، ایک مسجد اور ایک کیفے ٹیریا ہوگا۔ (۷) یہ ۱۹۷۰ء میں مکمل ہو جائے گی۔ (عبدالقیوم عثمانی، کراچی)

ببول کا پھول

فہمیدہ عتیق

شہناز شرارت کرنے میں سب سے آگے رہتی تھی۔ جماعت کی سب لڑکیاں بھی شہناز سے خوش تھیں، کیوں کہ وہ مزے مزے کے لطیفے سناتی، طرح طرح کی حرکتیں کر کے لڑکیوں کو ہنساتی۔ ہمدرد ایسی کہ خود پانی پینے جاتی تو ایک گلاس پانی بھر لاتی۔ جماعت میں جسے پیاس لگی ہوتی، پانی پلا دیتی۔ یوں تو ہنسی خوشی دن گزرتے گئے۔ ششماہی امتحان کا نتیجہ نکلا۔ رپورٹ ہاتھ میں آئی تو بی شہناز کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ سرخ روشنائی سے "فیل" لکھا تھا۔ بہت سٹپٹائیں کہ اب کیا کریں۔ تھیں تو شرارت بھری اور کچھ عقل مند بھی تھیں، لیکن یہ اپنی عقل پڑھائی کے لیے استعمال نہ کرتی تھیں۔ رپورٹ کارڈ کافی موٹا تھا۔ کہیں سے بلیڈ لیا، "فیل" کے لفظ کو اس پر سے کھرچا اور اس پر پاس لکھ دیا۔ کچھ نمبر بھی بڑھا لیے، لیکن کل نمبر نہ بڑھائے اور سب لڑکیوں کے ساتھ اسکول سے نکل گئیں۔ گھر جاتے ہی امّی کو خوش خبری سنائی کہ میں پاس ہو گئی ہوں، لیکن ہماری مس نے رپورٹ ابھی نہیں دی ہے۔ ان کی امّی نے دعائیں دیں اور کچھ نصیحتیں بھی کیں۔

شہناز بیگم تھیں بڑی استاد۔ والد صاحب کے آنے سے پہلے ہی سو گئیں۔ ان کی امّی نے رات کو والد صاحب کو بھی پاس ہونے کی خبر سنائی۔ وہ بھی خوش ہوئے۔ دن گزرتے رہے۔ شہناز اپنی چالاکی پر بہت خوش تھیں۔ سالانہ امتحان قریب تھے۔ سب لڑکیاں لکھنے پڑھنے میں مصروف تھیں، مگر شہناز بیگم پڑھنے لکھنے سے بے پروا نت نئی شرارتیں سوچتی رہتیں۔ جس روز سالانہ امتحان ہونے والا تھا، بی شہناز کو کچھ ڈر محسوس ہوا اور مارے ڈر کے رات کو بخار بھی ہو گیا۔ صبح سو کر اٹھیں تو منہ لال ہو رہا تھا۔ امّی نے جیسے ہی دیکھا، پریشان ہو گئیں۔ کیوں نہ ہوتیں۔ شہناز

لاڈلی بھی تو بہت تھیں۔ فوراً حکیم صاحب کے ہاں گئیں۔ حکیم صاحب نے دوا دی اور ہوا سے بچنے کی تاکید کی۔ شہناز کی امّی نے شہناز کو گھر لے جا کر دوا پلائی اور اسکول درخواست لے کر پہنچیں۔ ان کی امّی نے مس سے کہا کہ شہناز شش ماہی امتحان میں تو پاس تھیں۔ اب طبّی سرٹیفکیٹ لادوں گی تو اگلی کلاس میں ترقی دے دیجیے۔ شہناز کی مس حیران تھیں کہ وہ تو اسے فیل کی رپورٹ دے چکی تھیں، وہ پاس کیسے ہوگئی۔ جب انھوں نے شہناز کی امّی کو بتایا تو وہ بہت حیران ہوئیں۔ انھوں نے بتایا کہ شہناز نے تو کہا تھا کہ ہمیں رپورٹ ہی نہیں ملی۔ مس نے بتایا تب ان کی امّی کو پوری حقیقت معلوم ہوئی، لیکن اب کیا کر سکتی تھیں!

واپس آکر شہناز کو دیکھا۔ سب شرارتیں کافور ہو چکی تھیں۔ طبیعت ابھی ٹھیک نہیں تھی۔ اس وقت تو انھوں نے کچھ نہ کہا، لیکن طبیعت ٹھیک ہونے پر خوب خوب باتیں بی شہناز کو سننا پڑیں۔ لیکن شہناز بیگم کو دن میں تارے اس وقت نظر آئے جب ان کی پوری جماعت اگلی جماعت میں چلی گئی اور انھیں اپنے سے پچھلی جماعت کے ساتھ بیٹھنا پڑا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا، لیکن آئندہ کے لیے انھیں ایسا سبق ملا کہ اب شہناز بیگم جماعت میں اوّل آتی ہیں، کھیلوں میں بھی حصّہ لیتی ہیں اور انعام بھی حاصل کرتی ہیں اور آج کل وظیفے کے امتحانات کی تیاری میں مصروف ہیں۔

جھوٹ کبھی چھپا نہیں رہتا اور ظاہر ہونے پر شرمندگی کے ساتھ ساتھ نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

دانائی کی باتیں

اس شخص کو کوئی مشقّت، مشقّت معلوم نہیں ہوتی جو اپنے فن سے محبّت کرتا ہے۔ (او ہنری)

خوش اخلاقی عبادت ہے۔ (اکبر الہ آبادی)

خاموشی انسان کی سلامتی ہے۔ (افلاطون)

مناسب موقع پر خاموشی تقریر سے بہتر زبان ہے۔ (مارٹن لوپر)

معلوماتِ عامّہ نمبر ۴۸ کے صحیح جوابات

اپریل ۱۹۷۰ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامّہ ۴۸ کے جو سوالات شائع کیے گئے تھے، ان کے صحیح جوابات یہ ہیں :-

۱- "ترجمان القرآن" مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر کے علاوہ لاہور سے شائع ہونے والے ایک مشہور رسالے کا نام بھی ہے، جس کے ایڈیٹر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ہیں
۲- شعر العجم علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف ہے۔
۳- مولانا حسرت موہانی کا انتقال ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو ہوا تھا۔
۴- آج کل پاکستان کے چیف جسٹس جناب جسٹس حمود الرحمٰن ہیں۔
۵- پاکستان میں عام انتخابات ۵ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ہونے والے ہیں۔
۶- دنیا کی سب سے بڑی جھیل کا نام کیسپین ہے جو براعظم ایشیا میں ہے۔
۷- اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال ۱۷۰۷ء میں ہوا تھا۔
۸- پاکستان میں اعشاری سکّے کا نظام ۱۹۶۱ء میں رائج ہوا تھا۔
۹- مارچ ۱۹۷۰ء کے شروع میں ایران کے شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی نے پاکستان کا دورہ کیا تھا۔
۱۰- ڈائنامیٹ الفریڈ بی نوبل نے ایجاد کیا تھا۔

صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کے نام

۱- صلوبت خاں، سانگھڑ
۲- سیّد محمود علی سیّد، کراچی
۳- محمّد علی خاں، کراچی
۴- تنظیم الحسن خاں، کراچی

۵- فاروق جمال عباسی، کراچی
۶- عالم رضا، کراچی
۷- ایم اقبال میمن اوکھائی، کراچی
۸- عمر فاروق ویانی، کراچی
۹ حامد علی فاروقی، کراچی
۱۰- محمد اقبال میمن، کراچی
۱۱- اشتیاق احمد، کراچی
۱۲- ایم اقبال شہزاد، کراچی
۱۳- ایم حنیف لاڈلا، کراچی
۱۴- آفتاب احمد چوہان، کراچی
۱۵- بشارت احمد، نواب شاہ
۱۶- محمد علی ندیم، کراچی
۱۷- مومن بلوچ، کراچی
۱۸- ایم اقبال انجم، سانگھڑ
۱۹- عبدالستار میمن، سانگھڑ
۲۰- محمد اقبال بھٹی، سانگھڑ
۲۱- محمد اقبال مسرور، کراچی
۲۲- داؤد احمد بٹ، کراچی
۲۳- محمد عادل جبت، کراچی
۲۴ محمد یوسف کھوسا، کراچی
۲۵- یاسین سلیمان کھوسا، کراچی
۲۶- آدم یوسف نوشاد، کراچی
۲۷- محمد یوسف گھانچی، کراچی
۲۸- ایم حسین گھانچی، کراچی
۲۹- محمد حسین میمن، کراچی
۳۰- محمد اسلم پان والا، کراچی
۳۱- سید انور توحید، کراچی
۳۲- سمیع اللہ خاں، کراچی
۳۳- صلاح الدین علوی، کراچی
۳۴- نسیم احمد، کراچی
۳۵- سلیم ایم چارنیا، کراچی
۳۶- اعجاز احمد، کراچی
۳۷- سلیم الدین سلیمو، کراچی
۳۸- ہارون محمد اسمٰعیل، کراچی
۳۹- محمد اقبال میمن، سانگھڑ
۴۰- خواجہ معین الدین، کراچی
۴۱- جمال الدین خاں، کراچی
۴۲- املن اللہ خاں، کراچی
۴۳- محمد سلیمان سردار، کراچی
۴۴- عارف حسین، کراچی
۴۵- فریدہ گوڈیل، کراچی
۴۶- محمد علی گوڈیل، کراچی
۴۷- محمد ندیم انور، کراچی

صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی چند تصویریں

سید محمود علی سید، کراچی | محمد علی خاں، کراچی | تنظیم الحسن خاں، کراچی | فاروق جمال عباسی، کراچی

عالم رضا، کراچی | ایم اقبال ڈکھائی میمن، کراچی | عمر فاروق ویانی، کراچی | محمد اقبال میمن، کراچی

اشتیاق احمد، کراچی | ایم اقبال شہزاد، کراچی | ایم حنیف لاڈلا، کراچی | بشارت احمد نواب شاہ

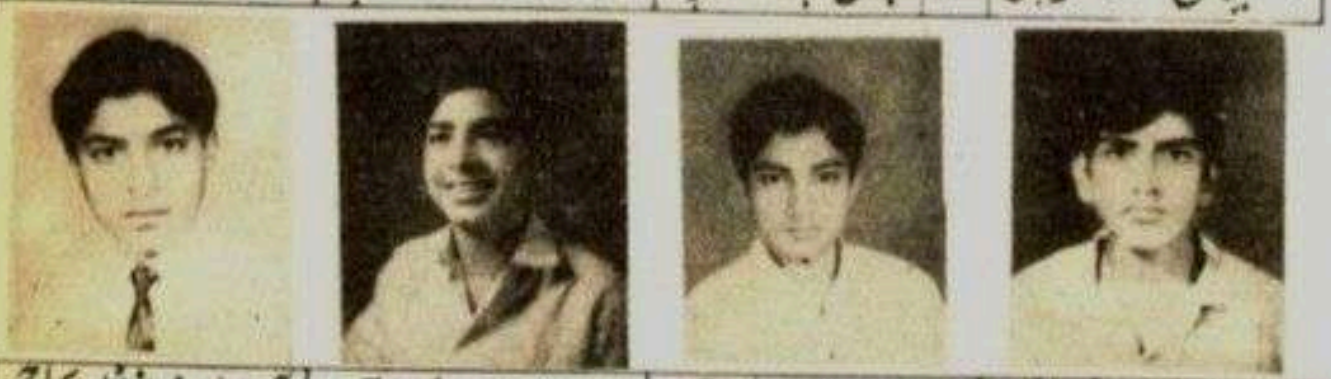

محمد علی ندیم، کراچی | محمد اقبال مسرور، کراچی | دود احمد، کراچی | آدم یوسف نوشاد، کراچی

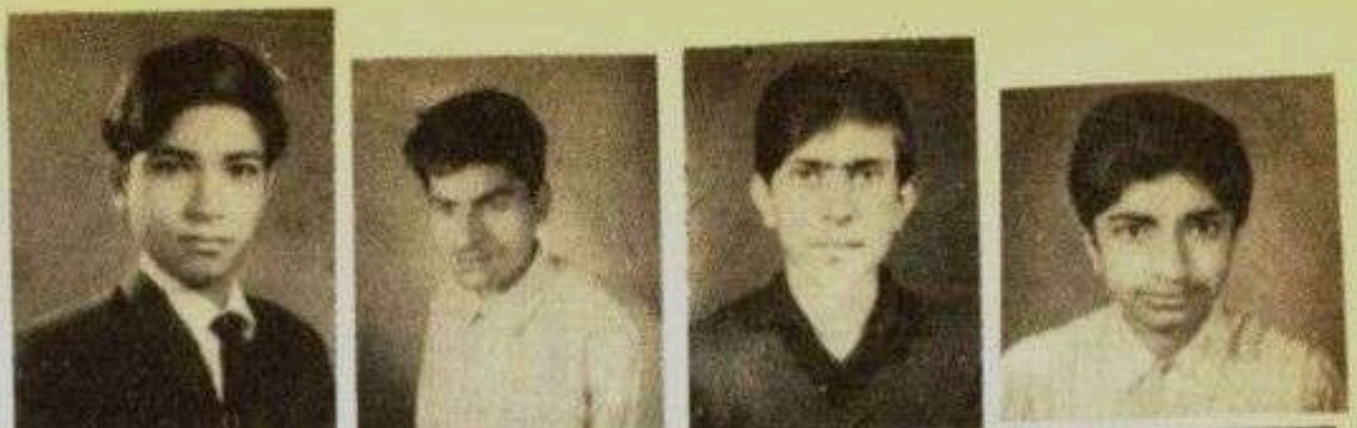

یوسف گھاچکی، کراچی | محمد سلیمان سردار، کراچی | محمد اسلم پان والا، سانگھڑ | سید انور توحید، کراچی

صلاح الدین علوی، کراچی | نسیم احمد، کراچی | سلیم ایم چاریا، کراچی | اعجاز احمد، کراچی

سلیم الدین سلیمو، کراچی | ہارون محمد اسمٰعیل، کراچی | محمد اقبال میمن، سانگھڑ | خواجہ معین الدین، کراچی

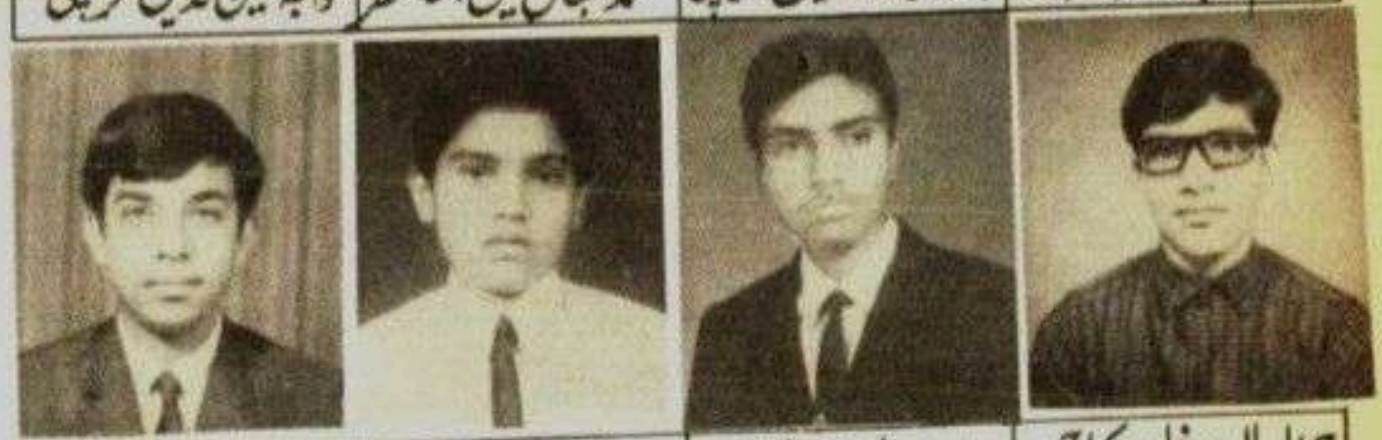

جمال الدین خاں، کراچی | امان اللہ خاں، کراچی | محمد ندیم انور، کراچی | عارف حسین، کراچی

ایک غلطی کے جوابات بھیجنے والے نونہالوں کے نام

۱۔ احمد، کراچی
۲۔ غلام نبی کمال، نذر آبادی
۳۔ نصیر احمد دشتی بلوچ، کراچی
۴۔ غلام فاروق بلوچ، کراچی
۵۔ محمد وقار الدین احمد، کراچی
۶۔ مشتاق احمد شیخ، کراچی
۷۔ اکرام الحق مابلہ، سانگھڑ
۸۔ سید عقیل عباس جعفری، کراچی
۹۔ عبدالرؤف شاہ، کراچی
۱۰۔ عطیہ روبی بٹ، کراچی
۱۱۔ سید عماد الدین شاہ جاوید، کراچی
۱۲۔ طارق احمد بٹ، کراچی
۱۳۔ عبدالرزاق حسین میمن، کراچی
۱۴۔ معراج ہاشمی، دادو
۱۵۔ عبدالمدثر صدیقی، سکھر
۱۶۔ محمد مشکور احمد، کراچی
۱۷۔ محمد ایاز خاں، شاہ پور چاکر
۱۸۔ راحیل شفیع چغتائی، ملتان
۱۹۔ محمد ایوب میمن، شکارپور
۲۰۔ خالد احمد پروانہ، دادو
۲۱۔ عبدالرزاق شوکت، سانگھڑ
۲۲۔ عبدالرزاق کھوکھر، سانگھڑ
۲۳۔ ایس۔ اے رزاق، سانگھڑ
۲۴۔ بشارت احمد بٹ، کراچی
۲۵۔ قیصر مسعود جعفری، کراچی
۲۶۔ شمشاد علی، نوشہرہ فیروز
۲۷۔ شیخ محمد فاروق، کوٹلی لوہاراں
۲۸۔ منصور احمد خاں، کراچی
۲۹۔ محمد سلیم محمد حسین منشی، کراچی
۳۰۔ محمد رحمت اللہ شریف کراچی
۳۱۔ محمد اقبال محمد حسین منشی، کراچی
۳۲۔ محی الدین نافع، حیدر آباد
۳۳۔ عابد علی فرید، کراچی
۳۴۔ محمد اقبال فرید، کراچی
۳۵۔ فضل محمود گزدر، کراچی
۳۶۔ سید مسرت علی مسرت، کراچی
۳۷۔ شاہد علی خاں، کراچی
۳۸۔ طارق محمود کاشانی، نوشہرہ فیروز

ایک غلطی بھیجنے والے نونہالوں کی چند تصویریں

احمد ، کراچی | محمد وقار الدین، کراچی | مشتاق احمد تیلی، کراچی | طارق احمد بٹ، کراچی

عبدالرزاق حسین، کراچی | معراج ہاشمی، دادو | محمد مشکور احمد، کراچی | محمد ایاز خاں، شاہ پور چاکر

خالد احمد پروانہ، دادو | بشارت احمد بٹ، کراچی | قیصر مسعود جعفری، کراچی | شیخ محمد فاروق، کوٹلی لوہاراں

منصور احمد خاں، کراچی | محمد رحمت اللہ شریف، کراچی | محمد اقبال محمد حسین منشی کراچی | محمد اقبال فرید، کراچی

عابد علی فرید، کراچی	فضل محمود گزدر، کراچی	شاہد علی خاں، کراچی	طارق محمود کاشانی، نوشہرہ فیروز

+++ معلوماتِ عامہ کے جوابات بعض نونہال کئی ناموں سے ایک ہی کاغذ پر بھجوا دیتے ہیں۔ ایک کاغذ پر صرف ایک ہی نونہال کا نام ہونا چاہیے۔

دُنیا میں سب سے زیادہ

۱ دنیا میں سب سے زیادہ دودھ فن لینڈ کے باشندے پیتے ہیں۔
۲ دنیا میں سب سے زیادہ فلمیں روس کے باشندے دیکھتے ہیں۔
۳ دنیا میں سب سے زیادہ گھنے جنگلات انڈونیشیا میں ہیں۔
۴ دنیا میں سب سے زیادہ گھڑیاں سوئزرلینڈ کے باشندے بناتے ہیں۔
۵ دنیا میں سب سے زیادہ کھجوریں عراق میں پیدا ہوتی ہیں۔
۶ دنیا میں سب سے زیادہ کاریں امریکا میں بنتی ہیں۔
۷ دنیا میں سب سے زیادہ آتش فشاں پہاڑ فلپائن میں پھٹتے ہیں۔
۸ دنیا میں ایک پونڈ ریڈیم کی قیمت تقریباً ۲۸ کروڑ روپے ہے۔
۹۔ دنیا میں کوئی بھی پرندہ سورج کے سامنے نہیں دیکھ سکتا۔
۱۰۔ دنیا کا ۶ فی صد حصّہ صحرا اور ریگستان ہے۔
۱۱۔ ایک شہد کی مکھی ایک موسم میں ایک لاکھ کے قریب انڈے دیتی ہے۔

(صدیق یونس صابر، کراچی)

معلوماتِ عامّہ نمبر ۵

کیا تم بتا سکتے ہو؟

مرتبہ: عبدالعزیز

ننھے بچوں کو اپنی معلوماتِ عامّہ (جنرل نالج) بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معلوماتِ عامّہ بہت سے فائدے پہنچاتی ہے۔ نیچے لکھے ہوئے سوالوں کے جوابات ہمیں ۲۰ جون تک بھیج دو۔ اور ان پر اپنا نام اور پتا بھی لکھو۔ جوابات الگ کاغذ پر ترتیب وار تحریر کرو اور ان پر "معلوماتِ عامّہ نمبر ۵" بھی لکھ دو۔ تصویر کے پیچھے صرف اپنا اور اپنے شہر کا نام لکھو۔ صحیح جوابات بھیجنے والے ننھے بچوں کے نام اور تصویریں جولائی ۱۹۷۰ء کے ہمدرد نونہال میں شائع کر دی جائیں گی۔ جوابات ایڈیٹر ہمدرد نونہال کے نام بھیجو۔

۱- بتائیے یہ کس مشہور نظم کا شعر ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

۲- قرآن پاک کے آخری پارے کا کیا نام ہے؟

۳- پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز نشانِ حیدر پانے والے تین جاں نثاروں کے نام بتائیے۔

۴- پاکستان کی سب سے پرانی جامعہ (یونی ورسٹی) کون سی ہے؟

۵- ایران کی قومی اسمبلی کو کیا کہتے ہیں؟

۶- قسطنطنیہ کا موجودہ نام کیا ہے؟

۷- ڈھاکا یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کون صاحب ہیں؟

۸- رباط کس ملک کا دارالحکومت ہے؟

۹- دنیا کا سب سے چوڑا دریا کون سا ہے؟

۱۰- بتائیے، دس پیسے کے سکّے میں کتنے کونے ہوتے ہیں؟

نونہال ادیب

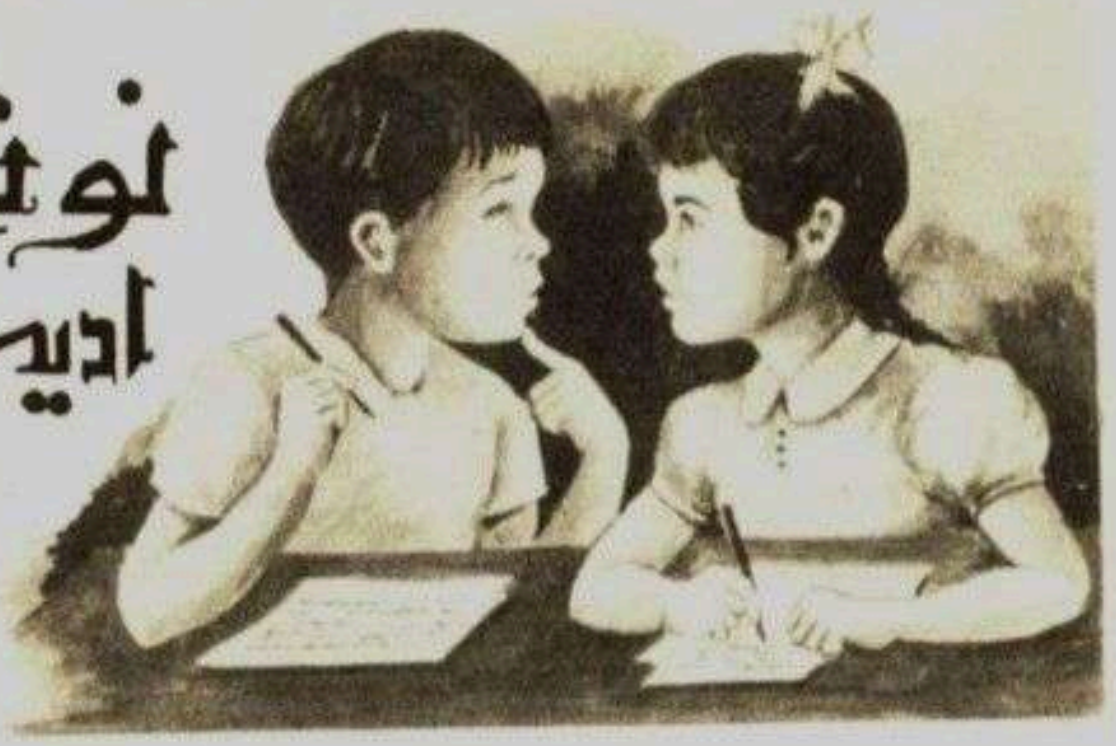

حمد

سجاد ہاشمی، کراچی

آفتوں سے نکالنے والا
دو جہانوں کا پالنے والا
زیب دیتی اسی کو میری ہے
کیا عجب اس کی دستگیری ہے
وہی کیڑے کو رزق دیتا ہے
کشتیٔ زندگی بھی کھیتا ہے
وہ دُعا بھی قبول کرتا ہے
متعین اصول کرتا ہے
شکر اس کا ادا کرو بھائی
ورنہ دنیا میں ہوگی رُسوائی

مولانا حسرت موہانی

محمد حسین گھانچی، کراچی

آپ کا نام سید فضل الحسن، تخلص حسرت اور خطاب رئیس المتغزلین تھا۔ آپ کے والد کا نام سید ظہر حسن تھا۔ آپ ۱۸۷۵ء میں موہان ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ حسرت کی ابتدائی تعلیم موہان کے ایک مکتب میں ہوئی۔ اور وہیں سے انھوں نے ۱۸۹۴ء میں اردو مڈل کا امتحان پاس کیا اور پھر فتح پور جاکر گورنمنٹ اسکول میں انگریزی کی تعلیم شروع کردی۔ ایف۔ اے کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کا امتحان

پاس کیا۔ گریجویٹ ہونے کے بعد حسرت نے "اردوئے معلّا" جاری کیا اور اسی زمانے سے سیاست میں حصہ لینے لگے جس کے نتیجے میں حکومت نے انھیں باغی قرار دے کر کئی بار قید بامشقت کی سزا دی جس کی طرف انھوں نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت کی زندگی بڑی درویشانہ بسر ہوئی۔ مزاج میں قناعت کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ بڑی سادہ وضع کے انسان اور دنیاوی لحاظ سے بڑی مختصر تمنائیں رکھتے تھے۔ شاید اسی لیے ان پر کبھی مایوسی کی کیفیت طاری نہیں ہوئی اور انھوں نے سخت سے سخت مصائب کا مقابلہ بڑی خندہ پیشانی سے کیا۔ آپ بڑے وضع دار اور صادق الایمان تھے۔ منکسر المزاج، خوش طبع اور صُلح کُل بزرگ تھے۔ نماز روزے کی سختی سے پابندی کرتے تھے، مگر اس کے باوجود ان میں کبھی زاہدانہ غرور پیدا نہ ہوا۔

حسرت شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے ۔ آپ کا نام اردو شاعری میں غزل کے احیا کے باعث ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اردو غزل کے دورِ جدید میں جب غزل گوئی کا اسلوب ختم ہوتا نظر آرہا تھا اور متاخرین کے ہاتھوں معنوی اعتبار سے غزل نہ صرف بے جان ہو چکی تھی، بلکہ اس پر ایک سوگواری کی کیفیت طاری تھی۔ حسرت نے اس کے جسم میں ایک نئی روح پھونکی اور اسے زندگی سے زیادہ قریب کیا ہے۔ ان کی شاعری سے قطع نظر حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اساتذۂ قدیم کے دیوان فراہم کر کے ان کا انتخاب شائع کیا اور ان کی اس کوشش کی بدولت بہت سے اساتذہ کا کلام محفوظ ہو گیا۔ نکاتِ سخن، محاسنِ سخن، ان کے رسالے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ چالیس سال تک اردوئے معلّا جیسے ادبی پرچے کا جاری رکھنا بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے جسے تاریخ ادب اردو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔

آپ کا انتقال ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو ۷۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

گھوڑوں کا کھیت

سیّد انور جاوید ہاشمی، کراچی

کسی گاؤں میں تین بے وقوف رہتے تھے جو کچھ عقل مند بھی تھے۔ ان تینوں کے گاؤں میں مشترکہ کھیت تھے اور کھیتوں پر ہی زندگی کے گزر بسر کا دارومدار تھا۔ ایک دفعہ ان تینوں نے سوچا کہ کیوں نہ گھوڑے کا کھیت بویا جائے، چناں چہ ایک گھوڑا خریدا اور اس کی بوٹی بوٹی کر کے کھیت کی زمین میں بو دیا۔ روزانہ صبح کو وہ پانی کھیت میں دیتے۔ پانی پڑنے سے جگہ نرم ہو گئی اور وہاں گھاس پھوس اُگ آئی۔ وہ تینوں خوش ہوئے کہ چلو درخت تو اُگ آئے اب کچھ دنوں میں پھل بھی لگ جائیں گے۔ غرض کہ دن گزرتے گئے۔ ایک دن ایک سوداگر بے وقوفوں کے گاؤں میں آیا۔

اس کے ساتھ کچھ گھوڑے بھی تھے۔ رات ہوئی تو فکر ہوئی کہ گھوڑوں کا انتظام کہاں کیا جائے۔ ایک نوکر نے کہا، "حضور، یہ جگہ سرائے سے قریب ہے۔ گھاس بھی لگی ہے گھوڑے یہیں چرتے رہیں گے۔ صبح آ کر لے جائیں۔ رات میں گھوڑے کہیں جا بھی نہیں سکتے۔" چناں چہ وہ گھوڑوں کو وہاں چھوڑ کر سرائے میں آ گئے۔ صبح ہوئی تو تینوں بے وقوف پانی ڈالنے آئے اور گھوڑوں کو دیکھ کر خوشی سے ناچنے لگے اور کہنے لگے "پھل آ گئے، پھل آ گئے۔" ابھی وہ ناچ ہی رہے تھے کہ سوداگر آ گیا اور کہا، "گھوڑوں کو لے جانا ہے۔" ان میں سے ایک بولا، "ہم ابھی نہیں بیچیں گے، کچھ دنوں ٹھہر کر آنا یعنی پھل آتے دیر نہیں لگی اور خریدار آ گئے۔" دوسرا بولا، "ہاں بھئی، ابھی تو یہ کچے ہیں۔ تیسرا بولا، "ہم اچھے اچھے چھانٹ کر رکھ لیں گے۔ آ کر لے جانا۔" سوداگر بڑا پٹا یا کہ ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اور گاؤں کے قاضی کے پاس جا کر اسے تمام ماجرا سنایا۔ قاضی نے تحقیقات کرانے کے لیے اپنا آدمی بھیجا جب رجسٹر کے ہاں پہنچے تو وہاں رجسٹر میں لکھا تھا کہ فلاں کھیت میں گھوڑوں کا کھیت بویا گیا ہے۔ چناں چہ فیصلہ بے وقوفوں کے حق میں ہوا اور سوداگر اپنا سا منہ لے کر سر پیٹتا وہاں سے چل دیا۔

دُم

سید جعفر احمد، کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تمام دُموں والے جانور ایک جگہ جمع ہوئے اور پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ پر یہ سوچا کہ وہ اپنی دم کو کس طرح استعمال کرے۔

گائے نے کہا، "میں اپنی دم مکھیاں اڑانے کے لیے استعمال کروں گی۔"

گھوڑے نے کہا، "بالکل ٹھیک ہے۔ میں بھی اپنی دم سے یہی کام لوں گا۔"

کتے نے کہا کہ میں خوشی کے وقت اپنی دم ہلاؤں گا۔"

بلی بولی، "اچھا تو پھر میں اپنی دُم غصے کے وقت ہلاؤں گی۔"

بی گلہری بولیں، میں اپنی دم سردیوں میں اپنی کمر کو گرم رکھنے کے استعمال کروں گی۔"

بندر بولا، "میں اپنی دم کے ذریعے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جایا کروں گا۔"

مور بولا، "میں اپنے خوب صورت پر پھیلا کر سب کو دکھایا کروں گا۔"

خرگوش نے کہا، "میں خطرے کے وقت اپنی دم کو ننھے سے سفید جھنڈے کی طرح اٹھاؤں گا۔"

کینگرو نے کہا، "میں اچھلتے وقت اپنی دُم سے فالتو ٹانگ کا کام لوں گا۔"

مچھلی نے کہا، "میں اپنی دُم کے ذریعے پانی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک جایا کروں گی۔"

مینڈک کا بچہ نہیں جانتا تھا کہ اپنی دُم سے کیا کرے۔ اس نے کہا کہ جب میں مینڈک بن جاؤں گا تو دُم کی ضرورت بالکل نہ رہے گی۔ میں جیسے جیسے بڑا ہوتا جاؤں گا

اس سے نجات ملتی جائے گی۔"

اس دن سے یہ جانور اپنی دموں کو اسی طرح استعمال کر رہے ہیں، جیسا کہ انھوں نے سوچا تھا۔ اس حالت میں انھیں اب بہت بڑا عرصہ گزر چکا ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

ٹیپو سلطان شہید

شفقت مسعود اختر، پنڈی گھیب

ٹیپو سلطان جس کا نام سن کر انگریز اور مرہٹے کانپتے تھے، میسور کے حاکم حیدر علی کا بیٹا تھا۔ اس کا اصلی نام فتح علی تھا۔ اس کے والد نے ایک بزرگ ٹیپو مستان کے نام پر اس کا لقب ٹیپو رکھ دیا جو اسی نام سے مشہور ہوا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ان غداروں میں جعفر اور صادق کے نام اپنی غداری کی وجہ سے ہر محبِ وطن شخص کی زبان پر اب بھی آجاتے ہیں۔ علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر تھے۔ انھوں نے تو ان کے لیے یہ کہا ہے ؎

جعفر از بنگال، صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

جب انگریزوں نے ان غداروں کے ساتھ مل کر قلعے کی دیوار توڑی تو سلطان کے ایک جرنیل نے کہا کہ حضرت معافی مانگ لیں اور اپنی جان بچالیں، تو سلطان نے فرمایا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے اور یہ کہتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ جب انگریز سپہ سالار نے سلطان کی لاش کو دیکھا تو خوشی سے چلا کر کہا، "آج ہندستان ہمارا ہے" اور انگریز ہندستان پر قابض ہو گئے۔ اگر اپنے ہی ساتھی سلطان سے غداری نہ کرتے تو انگریز کبھی اس ملک پر قابض نہ ہوتے۔

انوکھا سبق

عبدالغفور اسدی، کراچی

یہ اب سے کئی سال پہلے کی بات ہے جب کہ ہندستان کے ایک قصبہ جانسٹھ میں جو ضلع مظفر نگر میں ہے، ایک سید نواب رہا کرتے تھے۔ وہ بے حد امیر آدمی تھے۔ ان کے پاس ایک ہاتھی بھی تھا جس کا فیل بان ایک شخص فضل دین تھا جسے لوگ پیار سے فضلو بھی کہا کرتے تھے۔ فضلو کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ ہاتھی کو اپنے بچے کی طرح چاہتا تھا اور ہاتھی بھی اس سے بڑی محبت کرتا تھا۔ کچھ عرصے بعد نواب نے فضلو کو کسی بات پر ناراض ہو کر نکال دیا۔ فضلو کو ہاتھی سے جدا ہو جانے کا بہت غم تھا، لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ چُپ چاپ چلا گیا۔ نواب کو بھلا کیا فکر تھی۔ انھوں نے جھٹ دوسرے فیل بان کا انتظام کر لیا جس کا نام منگو تھا۔ منگو بے حد لالچی شخص تھا اور چاہتا تھا کہ دُنیا کی تمام دولت اس کے قدموں میں آجائے، مگر اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوئی۔ اس وقت ہاتھی کو سوا من کے آٹے کی روٹی دی جایا کرتی تھی جس کے اندر گھی بہت

ہوتا تھا۔ ایک دن جب کہ منگو ہاتھی کے لیے آٹا گوندھ رہا تھا اور اس کے پاس گھی سے بھرا ہوا برتن رکھا تھا، اس نے سوچا کہ آج ہاتھی کے حصے کے گھی میں سے تھوڑا سا گھی نکال لیتے ہیں کسی کو کیا پتا چلے گا کہ میں نے اس میں سے گھی نکال لیا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے تھوڑا سا گھی نکال لیا۔ اسے گھی نکالتے ہوئے ہاتھی نے دیکھ لیا، لیکن خاموش رہا۔

شام کو حسب عادت منگو ہاتھی کو سیر کرانے کے لیے جنگل کی طرف لے گیا۔ ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک ہاتھی نے ایک زوردار دھاڑ ماری اور منگو کو نیچے گرانا چاہا، مگر اس کی قسمت اچھی تھی جو وہ بچ گیا۔ اب تو منگو بھی ہوشیار ہو گیا اور سنبھل کر مضبوطی سے ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ہاتھی نے پھر اپنی سونڈھ منگو کو پکڑنے کے لیے اوپر اٹھائی مگر منگو کے دور بیٹھنے کی وجہ سے وہ اسے نیچے نہ گرا سکا، پھر تو ہاتھی غصے سے پاگل ہو گیا اور چنگھاڑنا اور اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جب منگو نے دیکھا کہ اب بچنا مشکل ہے تو اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اچانک اس کی نظریں آگے والے درخت پر پڑیں جیسے ہی ہاتھی اس درخت کے نیچے سے گزرا، منگو نے جلدی سے درخت کی شاخیں پکڑ لیں اور اوپر چڑھ گیا۔ ہاتھی نے جب اپنی پیٹھ خالی دیکھی تو بڑے زور سے دھاڑا پھر اس کی نظریں درخت پر بیٹھے ہوئے منگو پر پڑیں۔ ہاتھی غصے کی حالت میں چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھا اور اپنی سونڈ سے اس شاخ کو توڑنے لگا جس پر منگو بیٹھا تھا۔ منگو نے جب ڈال توڑتے ہوئے دیکھا تو وہ اور اوپر چڑھ گیا۔ اب تو ہاتھی کو بہت غصہ آیا اور اس نے درخت کو وہ تمام شاخیں توڑ دیں جہاں تک اس کی سونڈھ جا سکتی تھی۔ آخر تھک ہار کر ہاتھی درخت کے نیچے بیٹھ گیا کہ جب بھی نیچے اترے گا، اسے جان سے مار دوں گا۔

وہ غصے کی حالت میں چنگھاڑتا رہا۔ اس کی چیخ پکار سن کر سب لوگ جمع ہو گئے اور نواب کو اطلاع دی۔ اس نے کئی فیل بان بھیجے، لیکن کوئی بھی ڈر کے مارے ہاتھی کے سامنے نہ آیا۔ آخر مجبوراً نواب کو فضلو کو بلوانا پڑا۔ فضلو کے آنے پر اسے تمام حالات بتائے گئے۔ وہ فوراً جنگل گیا اور بڑی مشکل سے ہاتھی کو منا کر لایا۔ ہاتھی کے جانے کے بعد منگو درخت سے نیچے اترا اور نواب کی حویلی میں پہنچا۔ وہاں نواب اور فضلو کے علاوہ اور بہت سے آدمی موجود تھے جو ہاتھی کے غصے کی وجہ جاننا چاہتے تھے۔ منگو کے پہنچنے پر فضلو بولا، "منگو، تم نے ضرور ہاتھی کے حصے کی روٹی یا گھی چرایا ہے، جبھی تو وہ اتنا ناراض ہو رہا ہے۔"

منگو بولا، جی ہاں، میں نے گھی چرایا تھا اور واقعی میں بہت برا آدمی تھا، لیکن اس حادثے نے مجھے بہت بڑا سبق دیا اور میں نے چوری اور لالچ سے توبہ کر لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب مجھے معاف کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور نواب سے جانے کی اجازت چاہی۔ نواب نے

اسے کافی رقم دی اور اجازت دے دی اور اس کی جگہ پھر فضلو کو رکھ لیا۔

اعتراف (سچی حکایت)

محمد اسرار بھٹی، گنڈاکس

سلطان محمود غزنوی کے پاس ایک قیمتی جام تھا۔ ایک روز بادشاہ نے وزیروں کو حکم دیا کہ اس جام کو توڑ دو۔ سب نے عذر کیا کہ حضور، ایسی قیمتی چیز کو توڑنا مناسب نہیں۔ سلطان نے پھر ایاز کو حکم دیا کہ اس جام کو توڑ دو۔ ایاز نے فوراً اس جام کے ٹکڑے کر دیے۔ اہلِ دربار نے ایاز کو ملامت کی کہ تو نے یہ کیا غضب کیا ایک قیمتی جام کو توڑ ڈالا! ایاز نے جواب دیا کہ میں نے تو ایک جام ہی توڑا ہے۔ مجرم تم ہو جنھوں نے شاہی فرمان کو توڑا ہے۔ بادشاہ نے پھر مصنوعی غصے سے پوچھا کہ ایاز، تم نے یہ جام کیوں توڑا جب کہ سارے اہلِ دربار نے یہ حرکت نہیں کی۔ ایاز نے جھٹ ہاتھ جوڑ کر عرض کی، "حضور، قصور ہو گیا۔ معاف فرمایے۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔" بادشاہ نے اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا، "دیکھا۔ یہی ہے وہ خُلقِ ایاز جس کی بدولت وہ منظورِ نظر ہے۔ دیکھ لو، اس نے جام توڑنے کے واقعے کو میری طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی غلطی قرار دیا ہے اور بادشاہوں سے بات کرنے کا سلیقہ یہی ہے۔"

سلطان محمود ایاز سے بڑی محبت و شفقت فرماتا کرتے تھے اور حاسدینِ ایاز کو ایاز کا یہ منصب ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک مرتبہ حاسدین نے سلطان محمود سے ایاز کی اس قدر و منزلت کی وجہ دریافت کی تو سلطان محمود نے فرش پر دو لکیریں کھینچ دیں اور پھر سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے دو لکیریں کھینچی ہیں اور دونوں بالشت بالشت بھر کی ہیں۔ کوئی ایک دوسری سے نہ چھوٹی ہے نہ بڑی، بلکہ دونوں برابر ہیں۔ میرا حکم ہے کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور ان میں سے دائیں جانب کی لکیر کو دوسری لکیر سے چھوٹا کر دے مگر شرط یہ ہے کہ دائیں جانب کی لکیر کا کچھ حصہ مٹایا بھی نہ جائے اور اسے دوسری سے چھوٹا بھی کر دیا جائے۔ سب نے جواب دیا کہ حضور، یہ تو مشکل ہے کہ اس لکیر کا کچھ حصہ مٹایا بھی نہ جائے اور اسے دوسری سے چھوٹا بھی کر دیا جائے۔ سلطان محمود نے ایاز کو اشارہ کیا کہ تم اٹھو اور اس لکیر کا کچھ حصہ مٹائے بغیر اسے چھوٹا کر دکھاؤ۔ ایاز اٹھا اور اس نے بائیں جانب کی لکیر کو اور لمبا کر دیا اور اسطرح دائیں جانب کی لکیر کو دوسری سے چھوٹا کر دکھایا۔ سلطان محمود نے کہا، "دیکھ لیا تم نے۔ یہ ہے خاص وصف ایاز میں جو تم میں نہیں کہ اس نے ایک لکیر کو چھوٹا دکھانے کے لیے ایک ایسا سلیقہ اختیار کیا ہے کہ جس سے چھوٹی لکیر کا نقصان بھی نہیں ہوا اور دوسری لکیر کی لمبائی بھی ظاہر ہو گئی۔"

ریچھ کی جو شامت آئی

سید آفتاب امین چشتی، مظفر آباد

پچھا پیٹر بازگری بچوں میں بہت مقبول تھے۔ اگر موسم

سرما کی کوئی رات ہوتی تو وہ بیٹھک میں ایک آرام دہ تشست پر آگ کے نزدیک بیٹھ جاتے اور بچے ان سے کوئی مزے دار کہانی سنانے کے لیے کہتے۔ یہاں تک کہ بچوں کی یہ التجا شور و غل میں تبدیل ہو جاتی۔ دسمبر کی ایک سیاہ رات میں جب کہ زمین برف سے ڈھکی ہوئی تھی اور آتش دان کی چمنی سے گاڑھا سیاہ دھواں تیزی سے نکل رہا تھا چچا پیٹر اپنے مخصوص پسندیدہ کونے میں براجمان تھے، بارگری بچے جو کہانیوں کے رسیا تھے، پاس ہی بیٹھے تھے۔ بچوں کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی دل چسپ کہانی سننے کے لیے بے تاب بیٹھے ہیں۔

ہنری بولا، "ہمیں بھیڑیوں کے متعلق کوئی کہانی سنائیں۔"

"یا پھر کسی ریچھ کے متعلق۔" ڈیوڈ نے کہا۔

کچھ تامل کے بعد چچا بولے، "میں نے کل ایک مزے دار کہانی پڑھی تھی۔ یہ کہانی ایک دل چسپ کتاب میں تھی اور اس میں کسی ریچھ کا ذکر تھا۔"

"ہمیں ریچھ کی کہانی سناؤ۔" تمام بچے چلائے۔

"اچھا، لو سنو۔" چچا پیٹر نے یہ کہہ کر کہانی سنانی شروع کر دی:

"کسی زمانے میں ایک بوڑھی عورت ایک پرانی کٹیا میں رہتی تھی۔ بوڑھی عورت کی یہ جھونپڑی شمال میں کافی بلندی پر ایک بڑے جنگل کے کنارے واقع تھی۔ اس عورت کے پاس ایک بہت ہی پیارا ریچھ تھا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ ریچھ اسے جنگل سے تقریباً نیم مردہ حالت میں ملا تھا۔ اس وقت ریچھ کو مدد کی ضرورت تھی، کیوں کہ وہ بہت چھوٹا تھا اور بھوک سے نڈھال تھا۔ عورت اور اس کا پرانا ساتھی مرغا ریچھ کے اس بچے کو گھر لے آئے۔ یہ بات کئی سال پہلے کی ہے۔ اس وقت یہ ریچھ بہت چھوٹا تھا، لیکن اب تو یہ کافی بڑا ہو گیا تھا اور جنگل میں رہنے والے دوسرے ریچھوں کے مانند دیو ہیکل دکھائی دیتا تھا۔ اب یہ ریچھ اتنا تندرست و توانا ہو گیا تھا کہ اگر چاہتا تو ایک گائے کو آسانی سے مار سکتا تھا، لیکن اس نے کبھی ایسا نہ کیا، کیوں کہ وہ ایک نیک ریچھ تھا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ کسی انسان یا چوپائے کو ایذا پہنچائے۔

بچے اسے سواری کے طور پر استعمال کرتے اور اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر سیر کرتے۔ بعض دفعہ یہ ریچھ کتوں کے گروہ میں اپنے دونوں پنجوں پر تھوتھنی رکھے آرام کرتے ہوئے پایا جاتا۔ تین چھوٹے چھوٹے کتے اس ریچھ کے ساتھ ہر ڈھنگ کا کھیل کھیلنا پسند کرتے۔ یہ کتے کبھی اس ریچھ کے کان کھینچتے اور کبھی اس کی دم پکڑ لیتے، یہاں تک کہ ہر وہ شرارت کرتے جو یہ ننھے منے کتے کر سکتے تھے۔ ریچھ نے کبھی گوشت کا ذائقہ نہ چکھا تھا۔ وہ عام انسانوں کی طرح خوراک کھاتا تھا اور اکثر پلیٹوں میں دلیا، روٹی، ٹماٹر، گاجر، شلغم بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ وہ پھلوں اور شہد کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس

نے شہد کی خاطر شہد کی مکھیوں کے ایک چھتے میں منہ ڈالا جس کے نتیجے میں وہ دو دن تک لگاتار بستر پر پڑا رہا۔ پھر اس نے کبھی یہ غلطی نہ کی۔

یہ ریچھ رات کے سوا کبھی آرام نہیں کرتا تھا بعض دفعہ اتوار کے دن اسے آرام کرنے کا موقع مل جاتا، کیوں کہ اس دن اس کی مالکہ (بوڑھی عورت) سہ پہر کا وقت اپنی بہن کے پاس گزارنے جاتی تھی، جو جنگل میں ایک جھیل کے قریب چھوٹے سے مکان میں رہتی تھی۔ جنگل میں ایک چکر کے ساتھ راستہ اس کے گھر تک جاتا تھا۔

بوڑھی عورت اپنی بہن کے گھر جانے سے پہلے ریچھ کے پاس آتی۔ اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے کہتی کہ وہ واپسی پر اس کے لیے سیب لائے گی، بشرطیکہ وہ اس کی غیر حاضری میں امن سے رہے۔ جب ریچھ کی مالکہ ایک کتے کو اس کے حوالے کرتے ہوئے یہ حکم دیتی کہ وہ اس کے پیچھے نہ آئے تو اسے بہت افسوس ہوتا۔

ایک اتوار عورت اسے معمول کے مطابق گھر چھوڑ کر گئی۔ بڑھیا جنگل میں آدھے راستے میں تھی کہ اس نے اچانک ایک درخت کی شاخ ٹوٹنے کی آواز سنی۔ یہ آواز اس کے پیچھے بنے ہوئے چکر والے راستے سے آئی تھی۔ بڑھیا نے پیچھے کی طرف دیکھا، لیکن یہ دیکھ کر وہ شدتِ خوف سے کانپنے لگی کہ ریچھ پوری رفتار سے اس کی طرف آرہا تھا۔

ایک منٹ کے اندر اندر وہ اس سے آن ملا۔ اس نے ریچھ کو کتے کی طرح ہانپتے اور سونگھتے دیکھا عورت کو بہت غصہ آیا۔ اسے پہلے ہی بہن کے گھر جانے میں دیر ہو گئی تھی اور اس کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اسے واپس گھر لے جا سکے۔

اس بڑھیا کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی شرارت تھی کہ ریچھ اس کے حکم کو نہ مانے اور اس کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ دے۔ اس نے حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے اور اپنی چھڑی کی مدد سے ریچھ کو ڈرایا ایک لمحے کے لیے وہ اپنی حرکتوں سے باز آ گیا اور بڑھیا کو اپنی چالاک اور شریر آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ریچھ دوبارہ واپس جانا نہیں چاہتا۔ جب عورت نے دیکھا کہ ریچھ نے اس کا حکم نہیں مانا تو وہ غصے میں آ گئی اور اس نے اپنی چھڑی کی مدد سے ریچھ کو اس زور سے پیٹا کہ وہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ ریچھ رک گیا۔ اس کے سر میں شدید چوٹ لگی تھی۔ ریچھ نے اپنا بڑا سا منہ کھول دیا۔ کچھ دیر تک وہ اسی حالت میں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ تب وہ واپس مڑا اور جس راستے سے آیا تھا، اسی پر چل پڑا۔ راستے میں کئی دفعہ رکا اور عورت کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے خدا حافظ کہہ رہا ہو۔

شام کے وقت بڑھیا گھر واپس گئی تو ریچھ معمول کے مطابق اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا ہوا تھا اور بہت افسردہ دکھائی دیتا تھا۔ عورت ابھی تک غصے میں تھی۔ وہ ریچھ کے قریب گئی اور غصے میں کہنے لگی کہ اسے سیب اور رات کا کھانا نہیں ملے گا اور اس کے ساتھ ساتھ سزا

کے طور پر وہ دو دن تک زنجیر میں بندھا رہے گا۔ بوڑھا مرغا جو یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا اور جسے ریچھ سے محبت تھی، بڑھیا کو غصے میں دیکھ کر باورچی خانے سے باہر نکلا اور آتے ہی بڑھیا سے پوچھا کہ وہ ریچھ کو کس قصور کی سزا دے رہی ہے، جب کہ وہ تمام دن اچھی طرح رہا ہے۔ یقیناً وہ کوئی اور ریچھ ہوگا۔

جب چچا پیٹر کہانی سنا چکے تو لڑکوں نے ایک گہرا سانس لیا۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں یہ کہانی بہت پسند آئی ہے۔

"یہ ایک مزے دار کہانی تھی۔" جان نے اپنی رائے دی۔

ہنری بولا، "اگر بڑھیا کو پتا ہوتا کہ اسے جو ریچھ ملا تھا، اس کا اپنا نہیں تو شاید وہ جنگل میں اتنی بہادری نہ دکھاتی۔"

شاید یہ اس کا ڈر تھا جس نے اسے بہادری پر اکسایا۔" چچا پیٹر بولے۔ (ایک انگریزی کہانی کا ترجمہ)

گندا نالا

(ایک ڈراما)

جمال حیدر کیمبل پور

کام کرنے والے:- حمید: گھر کا مالک

افضل: مالک کا نوکر۔

دودھ والا، ہوٹل والا، چودھری صاحب

منظر

درمیانے درجے کا کمرہ۔

(نوکر دودھ لے کر آتا ہے اور حمید کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے)

حمید: (جلدی سے) تم دودھ لے آئے؟

افضل: جی ہاں

حمید: اس میں یہ مکھی کیوں پڑی ہے؟

افضل: میرا کیا قصور ہے۔ دودھ والے نے ایسا ہی دودھ دیا ہے۔

حمید: چلو دودھ والے کے پاس۔

(دونوں اٹھ کر جاتے ہیں)

حمید: (دودھ والے کو ڈانٹتے ہوئے) تم کیسا دودھ دیتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ اس میں مکھی پڑی ہے؟

دودھ والا: جناب، میرا کیا قصور ہے۔ یہ دودھ میں سامنے کے ہوٹل سے لایا ہوں۔

(حمید اور افضل وہاں سے اٹھ کر ہوٹل میں جاتے ہیں)

حمید: (ہوٹل والے سے) تم کیسا دودھ دیتے ہو، اس میں مکھی پڑی ہے۔

ہوٹل والا: جناب، میرا کیا قصور، یہ دودھ میں سامنے کے ہوٹل سے لاتا ہوں۔

(حمید اور افضل وہاں سے اٹھ کر ہوٹل میں جاتے ہیں)

حمید: (ہوٹل والے سے) تم کیسا دودھ دیتے ہو، اس میں مکھی پڑی ہے۔

ہوٹل والا: جناب، میرا کیا قصور ہے۔ میرے ہوٹل کے سامنے سے یہ نالہ گزر رہا ہے۔ چودھری صاحب کے ذمے ہے اس کی صفائی کرانا۔

(حمید اور افضل اٹھ کر چودھری صاحب کے

پاس جاتے ہیں)

حمید (چودھری صاحب سے) جناب آپ اس نالے کی صفائی کیوں نہیں کرواتے؟ دیکھیے اس کی وجہ سے حفظانِ صحت کے اصول ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

چودھری صاحب: (حمید صاحب سے) جناب، ہم کیا کریں۔ محلے کے لوگ گندگی کوڑے کے تھیلوں میں ڈالنے کے بجائے نالیوں میں پھینک دیتے ہیں۔ چلیے، ذرا دیکھتے ہیں، یہ نالہ کس گھر میں سے نکلتا ہے۔

(حمید صاحب، چودھری صاحب اور نوکر اٹھتے ہیں)

چودھری صاحب: دیکھیے، یہ نالہ آپ کے محلے سے ہی نکل رہا ہے اور دیکھیے، یہ خاص آپ ہی کے گھر سے نکل رہا ہے۔

(حمید صاحب اور نوکر اپنا سا منھ لے کر واپس گھر آتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

احسان

انیس احمد بھٹی، جھنگ

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک دمشق میں ۷۱۵ء میں حکومت کرتا تھا۔ اس کے زمانۂ خلافت میں جزیرہ نامی ایک علاقے میں ایک شخص خذیمہ رہتا تھا۔ خذیمہ بڑا صاحبِ ثروت اور بااثر آدمی تھا اور ادب کا بڑا قدردان تھا۔ ان ساری خوبیوں نے اسے جزیرے میں ممتاز حیثیت دے رکھی تھی۔

سدا ایک جیسے دن نہیں رہتے۔ خذیمہ پر مصیبت آئی تو سارا کھیل بگڑ گیا۔ دوست احباب ساتھ چھوڑ گئے اور وہ کس مپرسی کے عالم میں زندگی بسر کرنے لگا۔ ان ایام میں جزیرے کا گورنر عکرمہ مقرر ہوا جو اخلاق و کردار میں بلند تھا۔

ایک دفعہ اسے خذیمہ کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے سوچا کہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ رات کی تاریکی میں عکرمہ بستر سے اٹھا اور اشرفیوں کی تھیلی لے کر خذیمہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ خذیمہ کے گھر جا کر دستک دی۔ خذیمہ نے جوں ہی دروازہ کھولا، اس نے تھیلی اسے پکڑا دی اور مڑنے لگا۔ لیکن خذیمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا، "تم کون ہو؟" لیکن عکرمہ اس وقت تک ہاتھ چھڑا کر بھاگ چکا تھا اور وہ جلد گھر پہنچ گیا۔

ادھر خذیمہ نے بیوی کو اٹھایا کہ بتی جلائے۔ بتی جلا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ۴۰۰ طلائی مہریں ہیں اور خلیفہ کو اس کی اطلاع دی۔ خلیفہ بڑا حیران ہوا اور کہا کہ اگر وہ شخص پھر ملے تو مجھے اطلاع دینا۔ خذیمہ ابھی دارالخلافہ ہی میں تھا کہ عکرمہ کے خلاف شکایتیں آئیں۔ خلیفہ نے اسے برطرف کیا اور خذیمہ کو جزیرے کی گورنری پیش کی۔ جزیرے میں عکرمہ نے اسے خوش آمدید کہا، مگر مصیبت یہ ہوئی کہ جب عہدہ پیش کیا جانے لگا تو خزانے میں چار

ہزار اشرفیاں کم تھیں، اس لیے اس نے عکرمہ کو قید کر دیا۔ خذیمہ حکومت کرنے لگا اور ادھر عکرمہ جیل میں پڑا سڑ رہا تھا اور اس کی بیوی مایوس ہو گئی اور اس نے لونڈی کو بلا کر کہا کہ خفیہ طور پر خذیمہ کے پاس جائے اور اسے سارا قصہ بتائے۔ لونڈی ہوشیار اور دلیر تھی۔ وہ فوراً پہنچی اور خذیمہ سے کہا کہ محسن کا یہی حق ہے کہ تم مزے اڑاؤ اور تمھارا محسن جیل میں سڑے؟ خذیمہ اچھل پڑا اور فوراً بولا، "لڑکی تم کیا کہتی ہو؟ میرا محسن کون ہے؟" لونڈی نے سب کچھ سنایا۔ خذیمہ نے کچھ درباری ساتھ لیے اور جیل میں داخل ہو کر عکرمہ کے سامنے گر کر رونے لگا۔ عکرمہ بولا، "یہ کیا بات ہے؟" اتنے میں لونڈی آئی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ عکرمہ نے کہا، "بھائی، اس میں تیرا کوئی قصور نہیں، قسمت میں یہی لکھا تھا، پھر عکرمہ اور خذیمہ مل کر دمشق گئے۔ خلیفہ بہت متفکر ہوا کہ بغیر اطلاع کیوں آئے۔ اس نے پوچھا، کیا بات ہے؟" تو خذیمہ نے کہا کہ "میں اپنے محسن کو لایا ہوں۔" خلیفہ نے پوچھا، کہاں ہے اور اس کو سامنے لاؤ۔ خذیمہ اسے لے کر آیا۔ جب خلیفہ نے سارا حال سنا تو اس نے عکرمہ کو گلے لگایا اور کہا کہ مجھے تم پر فخر ہے۔ خلیفہ نے عکرمہ کو بہت سے تحفے تحائف دیے اور واپس بھیجا، لیکن خذیمہ نے کہا، میں استعفا دیتا ہوں تاکہ عکرمہ کو گورنر بنایا جائے۔

خلیفہ نے یہ تجویز منظور کر لی اور خذیمہ کو اس کے کردار پر دس ہزار اشرفیاں دیں اور اسے آرمینیا کا گورنر مقرر کر دیا۔

پتوں کی طرح زرد کیوں!
شاید آپ کے بچے کے پیٹ میں کیڑے ہوں!

پیٹ کے کیڑے، کینچوے، کدو دانے اور چُن چُنے، اکثر بچوں کو کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رکھتے ہیں بلکہ بڑے بھی ان کی زد سے محفوظ نہیں۔
اگر انھیں نظر انداز کر دیا جائے تو یہ صحت کے لئے ایک مستقل خطرہ بن سکتے ہیں۔

کرمار
پیٹ کے کیڑوں کا مؤثر علاج

شام کے سائے

ریحانہ شاہین نیّر، کراچی

بکھری پھولی شفق بلائے
سورج ڈوبا ڈوبا جائے
بہتا دریا دل کو لبھائے
لہروں پر اک ساز سنائے
پھیل رہے ہیں شام کے سائے

پانی میں اک آگ لگی ہے
اور فضا کچھ مہکی سی ہے
نغمہ ہے یا اک سسکی ہے
دور ہے مانجھی یا کہ ہنسی ہے
پھیل رہے ہیں شام کے سائے

دور کہیں پھولوں کے چمن میں
چھوٹے سے اس گھر کے صحن میں
ایک مصوّر کی دھڑکن میں
پھیل رہے شام کے سائے

ریاض حسین شاد، لاہور

دوسروں کو ملے خوشی جس سے
کچھ ہو تکلیف میں کمی جس سے
جو اندھیروں میں روشنی لائے
اور پیغام زندگی لائے
جوش پیارے وطن کی خدمت کا
حوصلہ پیار کا، محبت کا
دور کرتا ہو جو برائی کو
اور جگائے سدا بھلائی کو
آدمیت کا پاس ہو جس میں
شہد کی سی مٹھاس ہو جس میں
تازگی جس میں ہو بہاروں کی
روشنی جس میں ہو ستاروں کی
جس میں اخلاق جگمگاتے ہوں
چاند کی طرح مسکراتے ہوں
صبح اچھے ہیں، شام اچھے ہیں
ایسے جتنے ہیں کام اچھے ہیں

حلقۂ روسی

فیاض فیض محمد مہین ——— سکھر

عمر: ۱۳ سال

دل چسپیاں: کیرم بورڈ کھیلنا، لوڈو کھیلنا، سیر کرنا

پتا: کوارٹر نمبر الیف - ۱۱ - سٹیرل کالونی، سکھر

میاں عثمان علی خاں انجم راجپوت ——— پاک پتن

عمر: ۱۴ سال

دل چسپیاں: سائیکل چلانا، انگریزی خوش خطی، مطالعہ

پتا: چک نمبر ۳۷ ایس پی تحصیل پاک پتن ضلع ساہیوال

نفیس احمد ——— چانگام

عمر: ۱۲ سال

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا، مطالعہ

پتا: روم ۵ - ۲۲۱ گھاٹ فراٹ بیگ، چانگام

عقیل آصف خالد ——— خان پور

عمر: ۱۴ سال

دل چسپیاں: [illegible] قلمی دوستی

پتا: معرفت عبدالکریم آصف بیگ کلرک [illegible] اسٹیشن، خان پور

نعیم الدین ——— لاہور

عمر: ۱۴ سال

دل چسپیاں: قلمی دوستی، اسکاؤٹنگ، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: [illegible] اسکول - لاہور

ایس۔ اے غنی ——— لاڑکانہ

عمر: ۱۴ سال

دل چسپیاں: قلمی دوستی [illegible]

پتا: معرفت پی۔ آئی۔ اے۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۰ لاڑکانہ

راشد نبی ——— سکھر

عمر: ۱۲ سال

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ہاکی کھیلنا

پتا: اعجاز نبی ایڈووکیٹ وزمیندار مینارہ روڈ، سکھر

بلال عزیز زیدی ——— سرگودھا

عمر: ۱۳ سال

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی، مطالعہ

پتا: مکان نمبر ۳۵ - ایس - ۳ - بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔

چودھری نثار احمد ——— سیالکوٹ

عمر: ۱۲ سال

دل چسپیاں: ورزش کرنا، اسلامی کتب و رسائل پڑھنا، قلمی دوستی

پتا: مقام و ڈاک خانہ گھوڑہ براستہ کوٹ نینیاں، تحصیل و گرداسپور، ضلع سیالکوٹ

این۔ اے حسین خاں ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا

پتا: ۱۳۱ ڈی بلاک ڈی۔ رضویہ کالونی، کراچی نمبر ۱۸

محمد ابراہیم نیازی ——— بہاول نگر

عمر: ۱۶ سال

دل چسپیاں: سیر و سیاحت کرنا، قلمی دوستی، مطالعہ

پتا: معرفت چوہدری محمد یعقوب اینڈ کمپنی پی بی ایس ہائی وے روڈ، چشتیاں ضلع بہاول نگر

تصور حسین جعفری ——— ڈھاکا کینٹ

عمر: ۱۴ سال

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی

پتا: [illegible] بورڈ ہائی اسکول۔ ڈھاکا [illegible]

محمد اسماعیل قمر ——— سکھر

عمر: ۱۳ سال
تعلیم: نہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، شاعری، مضمون نویسی
پتا: معرفت محمد اسحٰق سب ہیڈ کوارٹر بنیرسی بلاک نمبر ۱۸۹، ریلوے روڈ، سکھر

محمد شفیع ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال
تعلیم: فرسٹ ایر
دل چسپیاں: کتابیں پڑھنا، سیاحت کرنا
پتا: ایل/۸۳ نئی بستی، دلی کالونی، کراچی نمبر ۲

محمد ریاض ظفر ——— کراچی

عمر: ۱۶ سال
تعلیم: فرسٹ ایر
دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ
پتا: مکان ۱۔ ڈی ۔ ۶۳ نیو کالونی، کراچی

محمد شفیع مغل ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال
تعلیم: دہم
دل چسپیاں: مصوری، قلمی دوستی، مطالعہ
پتا: مغل منزل، شاہ ولی اللہ روڈ، کھڈہ، نوآباد، کراچی ۲

سید شرف الحق حزم ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال
تعلیم: نہم
دل چسپیاں: رسالے پڑھنا، کہانیاں لکھنا
پتا: ۹۲/۷ ہاشم رضا روڈ، ماڈل کالونی، کراچی نمبر ۲۷

محمد حسین شیرازی ——— پسنی

عمر: ۱۴ سال
تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: پرخلوص دوستوں کی تلاش، ٹکٹ جمع کرنا
پتا: معرفت قاضی مڈیکل اسٹور، پسنی بندر، ضلع مکران

محمد امجد احمد ——— کراچی

عمر: ۱۰ سال
تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا، مطالعہ
پتا: ۷۷/۷ کے۔ پی این پول کوارٹرز کارساز روڈ، کراچی ۵

اللہ داد جوشن ——— گوادر

عمر: ۱۴ سال
تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی
پتا: حاجی کمپنی، گوادر، مکران

اکرام الحق مالہ اعوان ——— سانگھڑ

عمر: ۱۳ سال
تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا
پتا: ہفتم۔ سی، گورنمنٹ ہائی اسکول، سانگھڑ

رحیم بخش قریشی ——— گوادر

عمر: ۱۲ سال
تعلیم: سوئم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی
پتا: محمد ہاشم ناکمان دکاندار، گوادر، مکران

اطہر علی ——— لاہور

عمر: ۱۳ سال
تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، خط کا جواب جلد دینا، قلمی دوستی
پتا: ۱۳، مین روڈ، سمن آباد، لاہور

محمد ریاض ——— گوجرانوالہ

عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، معلومات جمع کرنا، ٹکٹ جمع کرنا۔
پتا: محمد ریاض نکھورہ، نوشہرہ ورکاں، گوجرانوالہ

محمد صفر ——— کراچی

عمر: ۱۲ سال
تعلیم: ششم
دل چسپیاں: اخبار پڑھنا، فٹ بال کھیلنا
پتا: ۳/۴۷ اے، کراچی نمبر ۳

عبدالرزاق شوکت ——— سانگھڑ

عمر: ۱۲ سال
تعلیم: ششم
دل چسپیاں: اخبار [illegible] مطالعہ، معلومات بڑھانا
پتا: معرفت عزیز لائبریری، ایم اے جناح روڈ، سانگھڑ

ایس۔ ایم۔ سعید آفاق ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال
تعلیم: نہم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، [illegible] جمع کرنا، قلمی دوستی
پتا: جی ۵۲، فیڈرل [illegible] کراچی ۱۹

محمد طارق نیئر ——— لائل پور

عمر: ۱۵ سال
تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: [illegible] جمع کرنا، [illegible]
پتا: کلاس ہشتم بی۔ ایم سی ہائی اسکول، سمن آباد، لائل پور

محمد منیر اعوان ——— لاڑکانہ

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نماز پڑھنا، قلمی دوستی، نونہال پڑھنا

پتا: کوئز ٹیکسٹائل ملز، گجن پورہ، لاڑکانہ

ایم حسین ٹوبہ یا ——— کراچی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، تعلیم حاصل کرنا

پتا: حسین کلاتھ اسٹور محمد اشرف بلڈنگ لی مارکیٹ، کراچی ۱

محمد اظہر اقبال مبتسم ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، اخبار پڑھنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مشین ہاؤس جھنگ روڈ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

سید محسن عباس اسد ——— لاہور

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہمدرد نونہال پڑھنا، تصویریں بنانا، قلمی دوستی

پتا: ۱۴۲۴ احاطہ قاسم بلڈنگ، صدر بازار، لاہور چھاؤنی

محمد اکرم ملک ——— بہاول پور

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ

پتا: معرفت شمیم کلاتھ ہاؤس، بہاول پور

عبدالرسول ——— حیدرآباد

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا،

پتا: مکان نمبر ۳۲۳-۶-۱۱/ اے ہیرآباد، حیدرآباد

محمد اشرف خالد ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، [illegible] قلمی دوستی

پتا: مکان نمبر ۹- محلہ [illegible] ٹوبہ ٹیک سنگھ

محمد اشرف جاوید ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، [illegible] کرکٹ

پتا: کلاس دہم ڈی، ڈی۔ سی۔ ہائی اسکول ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

سید محمد عباس نادر ——— لاہور چھاؤنی

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: نظمیں گانا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا ۱۴۲۴/۱، احاطہ قاسم بلڈنگ، لاہور چھاؤنی

مشتاق حسین ——— باندی

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: قرآن پڑھنا، حفظ کرنا، نونہال پڑھنا

پتا: گورنمنٹ پرائمری اسکول، باندی

عبدالمجید شیرازی ——— ٹنڈو آدم

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نماز پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، پڑھنا لکھنا

پتا: عبدالکریم اشوز ولیدر مرچنٹ، شاہی بازار، ٹنڈو آدم

محمد حمید چاند ——— کراچی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: مطالعہ کرنا، قلمی دوستی، خطوں کے جواب دینا

پتا: ۱ اے ۴۱۳/ ۱۰ لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹

انور کمال پاشا ——— کراچی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، خطوں کا جواب جلد دینا

پتا: ۷۷/۷، آر۔ بی این پول کارساز، ڈرگ روڈ، کراچی ۱۸

محمد جمیل مسین ——— نوشہرہ فیروز

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی

پتا: معرفت محمد عالم اسسٹنٹ انجینئر، واپڈا کالونی نوشہرہ فیروز

نسیم احمد ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا

پتا: مکان نمبر ۶۱، بلاک نمبر ۵، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

محمد اختر قریشی ——— کراچی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: [illegible] پڑھنا، [illegible] کھیلنا، قلمی دوستی

پتا: مکان نمبر ۲ چراغ ہوٹل [illegible] کالونی نمبر ۵، کراچی

انیس الزماں ——— ڈھاکا

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹونبال پڑھنا

پتا: ایس۔ پی کوارٹر نمبر ۱۴، آدم جی نگر، ڈھاکا

فیروز محمد ——— میرپور خاص

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: مطالعہ، قلمی دوستی

پتا: روم نمبر ۲ جی۔ ایس۔ اے۔ ایل گورنمنٹ کالج ہوسٹل، میرپور خاص

محمد رفیق ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: ریڈیو سننا، خاموش رہنا، قلمی دوستی

پتا: نزد فاروقی ہوٹل، گبول روڈ، کالا کوٹ، کراچی

ملک شاہد حسین ——— جہلم

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، رسالے پڑھنا، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: گورنمنٹ پرائمری اسکول، ساگری، برانسہ دینا، ضلع جہلم

عنایت اللہ ——— پسنی

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، پڑھنا، اور دوسرے ملکوں کی سیر کرنا

پتا: عنایت اللہ، معرفت حسین علی کمپنی، پسنی

سلیم ہمایوں ——— کراچی

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ٹینس کھیلنا

پتا: فلیٹ نمبر ۱، ویسی چیل بلڈنگ، کراچی

ایم۔ ضمیر قریشی ——— میرپور خاص

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: ایف۔ اے

دل چسپیاں: معلومات جمع کرنا، مطالعہ، ڈراموں میں حصہ لینا

پتا: مکان نمبر ۷۰۸، عمر کوٹ روڈ، میرپور خاص

غلام عباس باجوا ——— سرگودھا

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: رسالے پڑھنا، ٹونبال پڑھنا، قلمی دوستی

پتا: معرفت چودھری محمد انور باجوا، ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول سلانوالی، ضلع سرگودھا

حلقۂ دوستی کے لیے سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے تعارف شائع نہیں کیے جائیں گے۔ ٹونبال صرف چھپے ہوئے فارم پر ہی اپنا تعارف بھیجیں اور فارم کی مکمل خانہ پُری کریں۔

فارم حلقۂ دوستی

نام ----------

عمر ----------

تعلیم ----------

دل چسپیاں ----------

پتا ----------

حکیم حافظ محمد سعید ایڈیٹر نے نیشنل پرنٹرز اینڈ پبلشرز لمیٹڈ کے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا

آپ یہ کتابیں گھول کر نہیں پی سکتیں

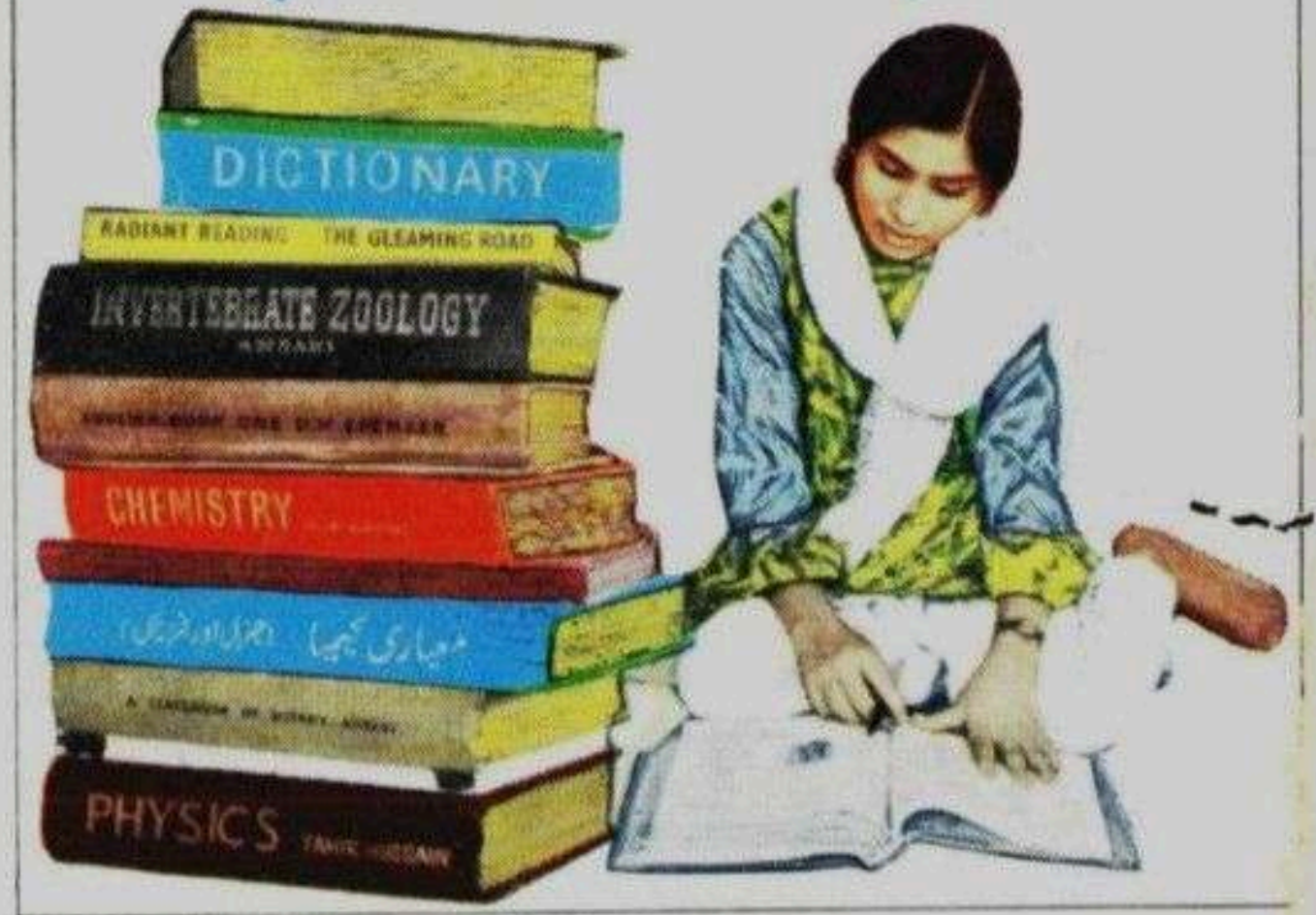

لیکن سنکارا ضرور پی سکتی ہیں

دماغی محنت کے لئے جسمانی صحت شرط ہے۔ امتحان کی تیاری میں انہماک کے دوران صحت کی طرف سے غافل نہ رہئے۔ ایسے میں سنکارا آپ کا بہترین دوست ثابت ہوگا۔

سنکارا ایک مکمل اور متوازن ٹانک ہے۔ مفید جڑی بوٹیوں کے نچوڑ کے علاوہ ضروری حیاتین اور معدنی اجزا کے اضافے نے اسے ایک جامع مرکب بنا دیا ہے۔
اس کے باقاعدہ استعمال سے آپ خود کو ہر دم چست و توانا اور ذہنی طور پر زیادہ مستعد پائیں گی

سنکارا بھی بجئے اور زور شور سے امتحان کی تیاری میں لگ جایئے

ہمدرد

ہمدرد لیبوریٹریز (وقف)
کراچی ۔ لاہور ۔ ڈھاکہ ۔ چٹاگانگ

ہمدرد
نونہال
جون ۷۰ء عیسوی
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

قومی خدمت کا ۲۰ واں سال

فنِس®

گھر کو۔ شیشہ کی طرح چمکاتا ہے۔

مکھی، مچھر اور تمام اڑنے والے کیڑوں مکوڑوں کے لئے

کھٹملوں، لال بیگ اور کیڑوں مکوڑوں کے لئے

عام صفائی کے لئے

اسٹینڈرڈ ڈفنس آئل کمپنی
ڈی-۲۳، ایس-آئی-ٹی-ای-کراچی-۱۶-فون: ۶۱۳۱۰۷
تار کا پتہ: فنس — شاخیں: لاہور-ڈھاکہ